نویدظفرکیانی

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

مجموعۂ کلام

(طنز و مزاح)

نوید ظفر کیانی

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام

https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

انتساب

اُس مردِ حق کے نام

جس کے خلاف نومئی کے ڈرامہ نگاروں نے ہر حد پار کی،
لیکن شائد وہ بھول گئے تھے کہ فیصلوں کا حق اُن سے کہیں
زیادہ اُس ذاتِ باری کو سزاوار ہے جس کے سامنے اُن
کی حیثیت مشتِ خاک سے زیادہ نہیں۔

تو کہہ اے اللہ، بادشاہی کے مالک! جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور
جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے، جسے تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے
اور جسے تو چاہے ذلیل کرتا ہے، سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے، بے
شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۲۶

غصہ آجاتا ہے شوگر کے مریضوں کو بجا

اِن سے اچھا تو نہیں کھنڈ مکھانے کا مذاق

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام: کھنڈ مٹھانے۔
شاعر: نوید ظفر کیانی۔
وضاحت: یہ نوید ظفر کیانی کے طنز و مزاح پر مشتمل مجموعۂ کلام ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

صفحات: ۲۰۷
سالِ اشاعت: جون ۲۰۲۴ء
ہدیہ: دعائیں۔
پبلشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک: nzkiani@gmail.com
ارکائیو ربط: archive.org/details/@nzkiani

فہرست

تم کو زیبا نہیں ہم جیسے نمانے کا مذاق
کیوں اُڑائے کوئی بھینگا کسی کانے کا مذاق

قیس نے جیل میں ایم ایس کیا الفت پر
عشق میں ہوتا چلا آیا ہے تھانے کا مذاق

میرے ہرجائی کی عادت نہیں بدلی اب تک
ہر نئے عشق سے کرتا ہے پرانے کا مذاق

بس اِسی طور چلے کام شریکوں کا یہاں
کبھی طعنہ ہے مذاقاً، کبھی طعنے کا مذاق

آپ سسٹم کو دیئے جاتے ہیں گالی کیسے؟
کبھی کردار اڑاتا ہے فسانے کا مذاق؟؟

گھر میں جو آپ مجاہد ہیں، سبھی جانتے ہیں
کیوں مرے بیوی کے تھلے لگے جانے کا مذاق

غصہ آجاتا ہے شوگر کے مریضوں کو بجا
اِن سے اچھا تو نہیں کھنڈ مکھانے کا مذاق

حسنِ تر جو ہے کسی اور کی قسمت میں لکھا
کیوں کرے روز مری نیند چرانے کا مذاق

نہ ہنسے چھلنی کوئی سینکڑوں چھیدوں والی
باقی دل میں نہیں رکھتا میں زمانے کا مذاق

اِس قدر بھانڈ رقیبوں سے بچانا یارب!
کبھی آنے پہ ہے ٹھٹھا، کبھی جانے کا مذاق

تلملاتے ہو یونہی بوسے کی فرمائش پر
سیل کی ڈِیڈ میں ہوتا ہے ''بیعانے'' کا مذاق

ہم بھی گھر تک نہ اسے چھوڑ کے آتے ہرگز
ہم سے کرتا وہ اگر کوئی ٹھکانے کا مذاق

گرمیاں اور بھلا کاہے کو ہوتی ہیں ظفرؔ
کون کرتا ہے دسمبر میں نہانے کا مذاق
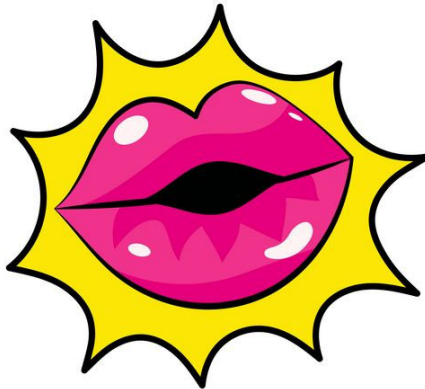
اختیار

(احمد ندیم قاسمی کی نظم "فشار" کی پیروڈی)

جب وہ جنرل بنا تو کہنے لگا
اب مرا ظرف میرے بس میں نہیں
اب میں اپنی بھی دسترس میں نہیں

یار باشی بھی مطلب کا ہی نام ہے
رابطے میں ہے جس سے کوئی کام ہے

اُف سخن در سخن اُس کا شیریں دہن
قاش بہ قاش کاٹا ہوا آم ہے

جس کی اسٹاک ٹیکنگ ہی ممکن نہیں
دِل مرا ایسی یادوں کا گودام ہے

پنگے لیتا ہے ظالم سماج آج بھی
ایک کا ڈیڈ ہے، ایک کی مام ہے

رِند گرمی میں پی کر کبھی دیکھتا
لیموں کا جوس تو برتر از جام ہے

ڈاک والوں کے متھے لگائے وہ کیا
اب تو وٹس ایپ پر نامہ پیغام ہے

تیری ممی نے خاصا التاڑا مجھے
میں گیا تھا، جہاں ان کا اہرام ہے

ہائے ویسا جلیبی میں ہوتا نہیں
جو تیری سیدھی باتوں میں بل دام ہے

عشق بھی خالہ جی کا نہیں گھر ظفرؔ
بسکہ تھانہ کچہری ہی انجام ہے

آ بھی جا

دِل سے نکلے اونٹ جیسی بلبلاہٹ آ بھی جا
کان میں بھر دے تو اپنی ہنہناہٹ آ بھی جا

ہجرِ ناہنجار سونے ہی نہیں دیتا مجھے
تیری یادوں کی ہے شب بھر کلبلاہٹ آ بھی جا

نطق میں سوزِ عطا اللہ نیازی بھر گیا
سو ہوں محوِ گنگناہٹ (ٹرٹراہٹ) آ بھی جا

کون سہہ سکتا ہے اپنی چودھراہن کے سوا
جھاڑ نہ پاؤں کسی پر چودھراہٹ آ بھی جا

کمی بیشی ایسا بن پایا نہیں ہے پھر بھی

میری بونگی اور تیری کھلکھلاہٹ، آ بھی جا

بر سرِ نوکِ زباں اکھڑے نشے جیسی لگے

بے وجہ تکرار کی یہ کسمساہٹ آ بھی جا

کتنے ہی دن ہو گئے انگنائی میں گونجی نہیں

ازدواجی معرکے کی کھنکھناہٹ آ بھی جا

کیا ستم ہے اِس کا اذنِ یاراں ملتا ہی نہیں

کس پہ یہ فدوی اتارے جھنجھناہٹ، آ بھی جا

چپ چپاں ہو، جب میں اپنے منہ میاں مٹھو بنوں

مِس کروں تیری چڑاتی مسکراہٹ آ بھی جا

جب سے تو میکے گئی، سننے کو ہوں ترسا ہوا

اپنے خراٹوں پہ تیری بڑبڑاہٹ آ بھی جا

ہر کوئی یونہی قیاس آرائیاں کرتا پھرے

حلقۂ احباب میں ہے بھنبھناہٹ آ بھی جا

کس طرح میکے گئی راضی خوشی یا روٹھ کر

اُن کی پرسش ہے تو میری بوکھلاہٹ آ بھی جا

میری خاطر تو نہیں آنا ہے تو نے غالباً
دور کرنے کو اُنہیں کی بوکھلاہٹ آ بھی جا

ہوٹلنگ ہے حملۂ خود کش کی صورت توند پر
اِس میں ہر دم حقے سی ہے گڑ گڑاہٹ، آ بھی جا

دِل نے قلقاری بھری تھی، لیجیۓ! وہ آ گئیں!!
دودھ والے کی تھی دروازے پہ آہٹ، آ بھی جا

کوئی بھی ایسا نہیں موقع پہ ہی جو ٹوک دے
تاڑنے میں اب نہیں ہے ہچکچاہٹ، آ بھی جا

اِس سے پہلے کہ پڑوسن بھی بھلی لگنے لگے
اِس سے پہلے کہ ہو دِل میں ڈگمگاہٹ، آ بھی جا

اب چراغِ رخ سے روشن گھریوں کر دے آن کر
خیرہ کر دے سب کی نظریں جگمگاہٹ، آ بھی جا

ایک رُباعی

پھر شوق سے تم مجھ کو سنانا قصے
میرے بنا دِن کاٹا ہے تم نے کیسے
سُن لوں گی صراحت سے جو تم پر گزری!
پہلے یہ بتاؤ کہ کہاں ہیں بچے؟

خوش آئے اِس لئے میرے دیوان میں نمک
ڈالا ہوا ہے میں نے شکر دان میں نمک

جتنا ملا ہے تیرے خط و خال میں مجھے
اُتنا نہیں ہے کھیوڑے کی کان میں نمک

ایسے بھی مہربان ہیں زخموں کو دیکھ کر
آجاتے ہیں چھڑکنے کو اِک آن میں نمک

یہ اور بات ہے کہ نہیں حسبِ ذائقہ
ڈالا گیا ہے حُسن کے پکوان میں نمک

اُس بے وفا پہ ختم ہیں مہمانداریاں
لایا ہے ڈال کر جو اُگلدان میں نمک

اُس نے چھڑکنا آپ کے زخموں پہ ہی نہ ہو
جو مانگتا ہے آپ سے تاوان میں نمک

مرچیں ملیں گی اُس کے زبان و بیان میں
رکھتا نہیں جو زیست کے سامان میں نمک

یوں ہو گئی ہے دورِ گرانی میں عاشقی
جیسے فشارِ خون کے طوفان میں نمک

اِس دور میں تو اِتنی وفا بھی نہیں رہی
جتنا ملے گا آپ کو اِک نان میں نمک

چیونٹی اور گدھ

(علامہ اقبال کی ایک مختصر مکالماتی نظم "چیونٹی اور عقاب" کی پیروڈی)

چیونٹی (عوام)

میں پائمال و خوار و پریشاں و دردمند
یہ تیرا بخت کیوں ہے پئے تو ندار جمند

گدھ (سیاستدان)

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
رکھتا ہوں دوسروں کے میں کھابے نگاہ میں

یوں عشق کو ہے حسن کے جلوے سے ارتباط
رکھتے ہیں جیسے مولوی حلوے سے ارتباط

جو احمق زماں ہے، اسی کا یہ کام ہے
تگنی کے ناچ کو نہیں بھنگڑے سے ارتباط

کرتا ہے میں میں بس یونہی موجِ غرور میں
ویسے نہیں ہے باس کو بکرے سے ارتباط

متھے لگے ہیں آپ کے، مجبوری ہے صنم
رکھنا پڑے گا آپ کے نخرے سے ارتباط

میک اپ کا رنگ و روپ ہے خیرہ کئے ہوئے
اپنے تئیں ہے چاند کے ٹکڑے سے ارتباط

لیڈر ہیں اور خوفزدہ ہیں چناؤ سے
مرغی سے اختلاف ہے، انڈے سے ارتباط

دونوں ہی بودے بال کے دشمن تھے، اس لئے
گیسو تراش کا رہا گنجے سے ارتباط

اترے تو اپنے آپ میں آئیں گے دیر میں
مت جائیے گا کرنے کو رکشے سے ارتباط

لاتا ہے زندگانی میں ناخوشگواریاں
اچھا نہیں زیادہ بھی سالے سے ارتباط

اڑوائے گا یہ برسرِ محفل تری ہنسی
رسوا کرے گا ایک دن بونگے سے ارتباط

تھی منفعت سو اس کی طرف سے ہے ویلکم
ہم جیسے ''کالا لوگ'' کا گورے سے ارتباط

انتخابات ۲۴

(انتخابات سے قبل ایک ہجو)
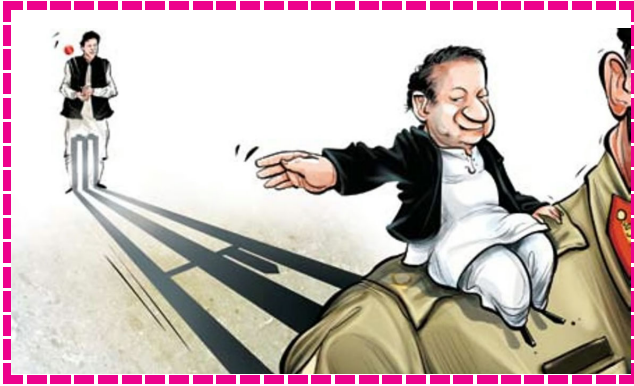
فونڈری سے الل ٹپ اُٹھایا گیا
اپنے سانچے میں ڈھایا، پکایا گیا
لا کے کم ظرف کو آزمایا گیا
قوم کے سر پہ برسوں بٹھایا گیا
کر دیا اس نے جو بھی کرایا گیا
ملک کا کر کے یکسر صفایا گیا

چور تسلیم کر کے ہٹایا گیا
مافیاؤں کا سر سے جو سایہ گیا
بوٹ والوں کو پھر یاد آیا گیا
اپنے کھابوں کی خاطر بلایا گیا
چور در سے اُسے پھر سے لایا گیا
پھر سے مردے میں جاں کو گھسایا گیا
پھر بھی تشویش میں سب کو پایا گیا
کَس تو دی اِس پہ زیں انتخابات میں
وڑ نہ جائے کہیں انتخابات میں

وہ جو بریانی خوروں کا ہے راہبر
رتی بھر بھی نہیں اِس میں خوئے بشر
اپنی گفتار و کردار میں ہے ڈفر
معتبر تھا فقط پرچی کے زور پر
یوں تو بننے کو بنتا ہے شیرِ ببر
کوئی دیکھے جو چشمِ دروں کھول کر
یہ حقیقت میں بنتا ہے جو جانور

اُس کو ہم آپ کہتے ہیں ٹٹو یا خر
ریس میں آکے تنہا بھی دوڑے اگر
ہار جانے کا پھر بھی رہے گا خطر
اِس کی اوقات کیا پوچھتے ہو ظفرؔ
خالی میدان اُس کے لئے ہے مگر
پھر بھی اُترا سا آتا ہے سب کو نظر

اس کا روئے حسیں انتخابات میں
وڑ نہ جائے کہیں انتخابات میں

یہ مرا ملک چولوں کی نگری سہی
اِس کے لوگوں میں کم ہے شعور، آگہی
باندھ لے پھر بھی یہ بات پلّے مری
کر نہ اِن کو سمجھنے میں غلطی کبھی
اپنی جاں سے بھی پیاری ہے اِن کو خودی
یہ نہیں مانتے ہیں کسی کی تڑی
چاہے وہ بُوٹ کی ہو یا ہو کلغی کی
نگھلیں کیا آنکھوں دیکھی وہ مکھی کوئی

اور مکھی بھی "نورے فتورے" کی سی
آنے تو دے ذرا فیصلے کی گھڑی
کاٹ ڈالیں گے اس کی بھی گڈی چڑھی
کہتا پھرتا ہے جو "ساڈی گل ہوگئی"
کچھ بھی کہتا رہے، لگ رہا ہے یہی

ووٹ ملنے نہیں انتخابات میں
وڑ نہ جائے کہیں انتخابات میں
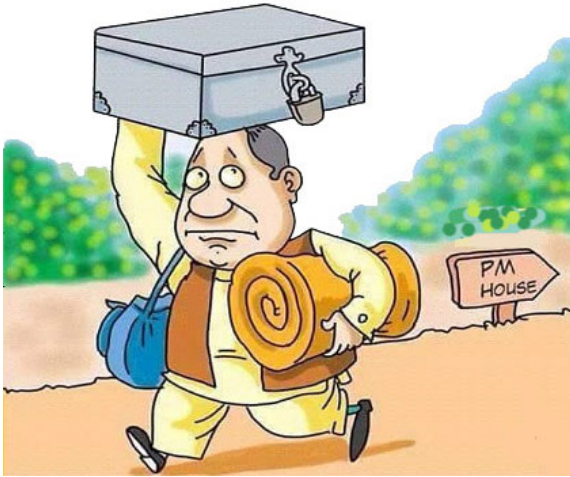
ایک رُباعی

میں مخل اگر ہو گیا ہوں تو سوری
فرما دیں میری راہبری تھوڑی سی
آیا ہوں بڑی لانگ ڈرائیو کر کے
جاتا ہے عمر کوٹ کو رستہ کیا یہی؟

وہ جو محبوبہ تھی اے ون، بیگماً اچھی نہیں
اِس قسم کی رشتہ داری غالباً اچھی نہیں

کرنا ہے ترکِ مراسم تو ذرا قسطوں میں کر
ایسی دل شکنی کسی سے دفعتاً اچھی نہیں

دوسروں کی بیویوں پہ رال ٹپکاتے رہیں
اور جو قسمت میں ہیں وہ لازماً اچھی نہیں

چاہے کلغی والی ہو، جمہوریت کیسے بچے
جس سے ہو جمہور عنقا، مطلقاً اچھی نہیں

کچھ حسیناؤں کے بارے میں کسی کی رائے ہے
نیّتاً اچھی ہیں لیکن عادتاً اچھی نہیں

دورِ نو کے کالے دھن والے بھی گھٹنے ہیں بہت
لا کر اً اچھی ہے حالت ظاہر اً اچھی نہیں

بابے بابے شاعروں کی ہے چہیتی (کیوں نہ ہو)
خُوبرو ہے، کیا ہوا جو شاعر اً اچھی نہیں

جس کی خاطر ایروں غیروں سے میں ٹکراتا رہا
مجھ کو رگڑا تو کھلا کہ وہ طبعاً اچھی نہیں

دیکھنے میں اکل رشوت اشتہا انگیز ہے
لالچاً ٹوٹے ہیں جس پر ہاضماً اچھی نہیں

ہر کسی کو چاہیے اہلِ ادب کی ہر کتاب
مفت مل جائے تو اوکے، قیمتاً اچھی نہیں

مختلف باٹوں کے ہیں میزان ہاتھوں میں ظفرؔ
عدلیہ کہتے ہیں جس کو عادلاً اچھی نہیں

پھر!

تھم گئی ہے شورشِ طوفان پھر
ہو گئے آسودہ میرے کان پھر
جاگ اُٹھی میری بیوی آخرش
بھاپ کا انجن بنا انسان پھر

ہوشیار باش

چل پڑے، بزم ہو یا مالِ ظفرؔ
بن کے اِک گن پلک جھپکتے میں
مسکراہٹ اِدھر اُدھر نہ پھینک
زن ہو بدظن پلک جھپکتے میں

نظر کے تیر جب عمداً چلیں گے
فدائی بزم سے فوراً چلیں گے

ابھی باندھے ہیں تسمے ماندگاں نے
چلیں گے اور ترجیحاً چلیں گے

پرائی شادی میں ہم جیسے جمعے
وہ دیوانے ہیں جو جنجاً چلیں گے

چلیں گے ہم بھی سیدھے راستے پر
اگرچہ طوعاً و کرہاً چلیں گے

نہایت مختصر مضمون ہو گا
صفحے دس بیس تمہیداً چلیں گے

تو گم گشتہ ہے میک اپ کی تہوں میں
ترے جلوے یونہی ٹھرکاً چلیں گے

یہاں کے سارے ماٹھوں کو گماں ہے
وہ جا کے شرقاً و غرباً چلیں گے

تڑی کیوں رہبری کی دے ستمگر
کہ ہم تو ساتھ اخلاقاً چلیں گے

کسے فرصت کہ گہرائی میں اترے
ظفؔر کے شعر تفریحاً چلیں گے

(محترم قیوم طاہر کی ایک غزل کی پیروڈی)

ڈھلتی عمر کی تاریکی میں ٹنڈ مہتاب تو روشن ہو
ٹھرکی بابے کے دیدوں میں شرم حجاب تو روشن ہو

اب کے جس تقریب میں جائے، سارے اُس کو تاڑتے ہوں
روپ کے بجھتے بوتھے پر بھی میک اپ جاب تو روشن ہو

نازک کمروں والی نسلیں عصرِ نو تک آ پہنچیں
اُلوؤں کے اِس جنگل میں کوئی عقاب تو روشن ہو

میرا عشق تمہارے باپ کی ہر ریڈ لائن کو توڑے
اپنی شامت آپ بلا لوں، صبحِ شباب تو روشن ہو

چپکے چپکے مجھ کو فون تو کھڑکاؤ، مس کال سہی
تاڑ تو لوں گا، پر وہ جلوہ زیرِ نقاب تو روشن ہو

ایک رُباعی
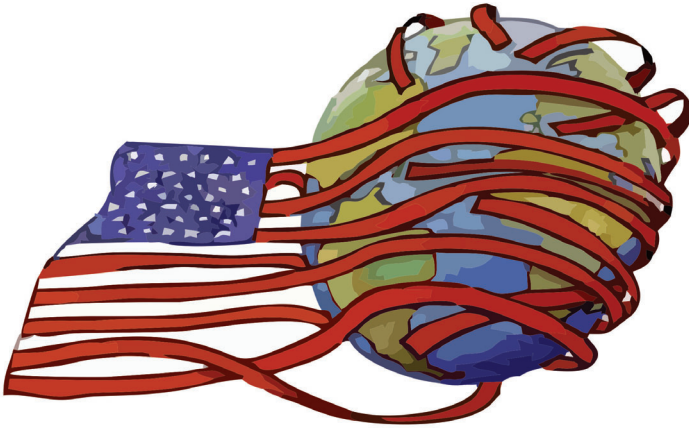
تفہیم کی خامی ہے نیو ورلڈ آرڈر
یک چشم خرامی ہے نیو ورلڈ آرڈر
آزاد ممالک کے لئے دنیا میں
امریکی غلامی ہے نیو ورلڈ آرڈر

کسی میرٹ پہ ہیں کہاں لفّاظ
پھر بھی ہر سو ہیں کامراں لفّاظ

کیوں نہ مرغوب افسروں کو ہوں
(کاسہ لیسی کے مرتباں) لفّاظ

ہم کہ تمہید سوچتے تھے ابھی
لے اڑے ساری داستاں لفّاظ

جیت جاتے ہیں دوڑ باتوں کی
ہونے لگتے ہیں جب رواں لفّاظ

بات سمجھے گا خاک تو میری
تیرے میرے ہیں درمیاں لفّاظ

ہر بشر ہے خسارے میں، والعصر!
فائدے میں ہے کوئی؟ ہاں! لفّاظ!!

بیویاں تو انہیں ہڑپ ہی لیں
ہوں اگر نہ ذرا میاں لفّاظ

اِسی ٹیلنٹ پہ مقتدر ٹھہرے
بسکہ ہوتے ہیں حکمراں لفّاظ

میہمانوں کا تو خدا حافظ
اب کے ٹکرے ہیں میزباں لفّاظ

یہ ظفرؔ کہ ہے شاعرِ گمنام
آپ کہہ لیجے بے زباں لفّاظ

توند کا مسئلہ

مسئلہ بڑھ گیا ہے معدے کا
اِسی باعث تو بیکلی ہے ابھی
گیس کے اِک بگولے کی صورت
توند میں لہر سی اُٹھی ہے ابھی

اور یہ امیدوار۔۔۔

جن کا منہ بھی دکھانے کا بنتا نہیں
ووٹ کی بھیک اُس کو بھی درکار ہے
جھوٹا سچا دلاسہ بھی اُس کو کیوں دوں
وہ جو پچھواڑے پہ ککّ کا حقدار ہے

گر ہے نگاہِ ناز کٹاری تو کیا ہوا
اور ساتھ ہے زبان بھی آری تو کیا ہوا

مجنوں میاں کو منہ نہ لگایا کسی نے پھر
لیلیٰ بھی رہ گئی ہے کنواری تو کیا ہوا

ہم دور سے ہی تاڑ کے اوباش ہو گئے
اُس شوخ نے جو آنکھ بھی ماری تو کیا ہوا

میک اپ کا خرچہ جس نے اٹھایا ہے اس سے پوچھ
وہ لگ رہی ہے آج بھی پیاری تو کیا ہوا

مڈبھیڑ یونہی لیڈرِ قومی سے ہوئی تھی
سیلفی گدھے کے ساتھ اُتاری تو کیا ہوا

سب نعمتوں کے خوان تمھارے حضور ہیں
مرتی ہے بھوکی قوم تمھاری تو کیا ہوا

تعریف کر رہے ہیں تری لیڈری کی سب
تجھ کو پکارتے ہیں مداری تو کیا ہوا

ہر شہر میں سے کار گزاری حضور نے
کچھ بھی نہیں ہے کارگزاری تو کیا ہوا

اسمارٹ چوکیدار ہیں کتنے، یہ دیکھ لے
جاری ہے پھر بھی چوری چکاری تو کیا ہوا

کہتے ہیں تم کو لوگ تو پھر مردہ باد ہو
دندنا رہے ہیں ہر سو حواری تو کیا ہوا

لگتے ہیں دیکھنے میں تو نازک سے دست و پا
پڑنے میں اس کا ہاتھ ہے بھاری تو کیا ہوا

چلتا تھا ٹھیک ٹھاک میں عہدِ شباب میں
اب پھنس گئی ہے کوئی گراری تو کیا ہوا

دامن پسارنا تو ہے کارِ معاشیات
دنیا سمجھ رہی ہے بھکاری تو کیا ہوا

دوبارہ نقدِ جان کی بازی لگائے گا
ہارا جو ازدواجی جواری تو کیا ہوا

لے لیجئے گا دام تھما کر بخیل کو
سگریٹ نہ دی کسی نے ادھاری تو کیا ہوا

منزل پہ لے کے جا تو رہی ہے سوار کو
ہم کو کھل رہی ہے سواری تو کیا ہوا

وہ مختصر لباس میں محشر بپا سہی
میں دیکھتا ہوں گوٹا کناری تو کیا ہوا

ہوں گے ریاضی دان اگر رات بھر رہے
عشاق محوِ اختر شماری تو کیا ہوا

وہ کارڈیالوجسٹ ہیں، یہ اُن کی جاب ہے
وہ دیکھتے ہیں سینہ فگاری تو کیا ہوا

یوں تو نہ دیکھ جیسے نکالوں گا سانپ میں
کھولی بیاض کی ہے پٹاری تو کیا ہوا

نشہ

اِک شرابی نے یہ بیوی سے کہا
"آپ کو میں نے کہیں دیکھا ہے"

بیوی چلائی "ارے! بھول گیا
تیری گھر والی ہوں، کیا اندھا ہے"

اِس پہ بولا یہ شرابی، "ہائے!
نشہ ہر غم کو بھلا دیتا ہے"

چند تروینیاں

ہم غریبوں کو بس اِتنی سی رعائت دے دیں
لاڈ سے اپنی چپاتی کو ہی پیزا کہہ لیں
چار سو بیسی کا یہ کیس نہیں بنتا نا!

کیا ستم ہے کہ گلا گھونٹوں تو
مجھ کو دکھلاتا ہے آنکھیں کوئی
ہائے نیکی کا زمانہ ہی نہیں

کوئی ہے بس تھوڑا سا کھسکا ہوا
اور کوئی سر تا پا یکسر چغد
ہاں مگر اپنے تئیں علامہ سب

مل گیا مجھ کو فارم پینتا لیس
میں الیکشن میں کامیاب رہا
ہائے لیکن یہ فارم سینتا لیس

عافیت محتاط رہنے میں ہے اپنی کیا خبر
کون سی ساعت مصیبت جن رہی ہے کس جگہ
کس کی کیسی وڈیو کیسے بن رہی ہے کس جگہ

آپ تو ڈڈو کنویں کے ہیں ظفرؔ
متشاعر کی ہے شہرت چارسو
اِس سے بڑھ کر ہے کوئی شاعر کہاں

کرتے رہیں گے مجلسوں کا اہتمام
ماتم گزارِ کربلائے نو مئی
دھوکے کی یہ ٹٹی رہے گی جب تلک

جس کا جو اعمال ہے ویسا ہی لکھا جائے گا
ڈپلومیسی میں کبھی آتے نہیں منکر نکیر
اور نہ کوئی لفافہ کر سکے گا کنٹرول

پُر تکلف تھا اہتمامِ ڈنر
دونوں ہاتھوں سے ہر کوئی تھا مگن
چند مچھر بھی ہو گئے شامل

خواب ہیں ایکوریم جیسے مرے
ماہئی رنگین ہیں سب لڑکیاں
اور میں ہوں مینڈکانہ تاڑ پر

فون جب ہاتھوں میں دیکھے تو کہیں
اِس خصم کو رکھ بھی دیتے ہیں کبھی
تو کیا اماں ہو چکیں عہدہ برا؟

جو بھی دل میں ہو وہی کہہ نہیں دیتے لوگو!
کچھ منافق بھی بنیں یعنی سیانے والے
ویگو ڈالے میں بٹھا لیں نہ بٹھانے والے

رکھے گئے تھے ڈھول سپاہی مرے لئے
وہ پکے ڈاکوؤں کے مددگار بن گئے
کچے کے ڈاکوؤں سے ہے یہ تو زیادتی

ڈاکو ملک کے حاکم ہیں
اور امیں اڈیالے میں
اُلٹی گنگا بہتی ہے

پرورش قوم کی آسان نہیں
دینا پڑتا ہے اسے رزقِ حرام
"لسے" لوگوں کا نہیں ہے یہ کام

اب سہا جاتا نہیں ہے طعنہ
تیرے لچھن ہیں شریفوں والے
اِتنے کرتوت کہاں ہیں کالے

اچھے شوہر کرتے ہیں
بیگم کی ہر بات پہ جی
نوکر کی تے نخرہ کی

اِتنا تو ترا غم نہیں کھایا دل نے
رمضان میں کھائے ہیں پکوڑے جتنے
رمضان کہ روزوں کا مہینہ ٹھہرا

کیا کیجئے کہ وڈیو گرافانہ سپاہی
اخلاص کی اقدار پہ ایماں نہیں رکھتے
کرتے ہیں حفاظت تو گزرتا ہے گماں اور

کرکٹ کے کھلاڑیوں کو فوجی
ججوں کی طرح ٹرین کرلیں
بیڈ روم میں کس طرح ہے سونا

دوڑتا پھرتا تھا مجنوں عمر بھر
پھر بھی لیلیٰ کو نہ کر پاتا تھا کیچ
عشق اب تو ٹی ٹونٹی کا ہے میچ

سبھی اوراق کو کرنا ہے "گوتھرو" سب نے
کتابِ زیست کی کوئی کلید ہے ہی نہیں
مگر جو دخترِ جرنیل سے کرے شادی

ذائقے جذبات کے نہلے پہ دہلے کی طرح
دِل کا رستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے ظفرؔ
چائے کی پتی سے کٹ سکتا ہے بندے کا جگر

(مفعول فاعلات مفاعیل فاعلاتن)

یہ بات میری بیگم تو یکسر بھلائے ہو گی
گھر کے اُمور ہیں تو میاں کی بھی رائے ہو گی

ہر کامیاب مرد کے پیچھے ہے کوئی عورت
گویا وہ اُس غریب کو آگے لگائے ہو گی

یوٹرن اور عشق میں، یہ آپ کا ہے جگرا
دِل ہو گا کب حضور کا، کوئی سرائے ہو گی

بریانیوں کی تاڑ میں دیوانے تو نہیں ہیں
منظور ہے جو آپ کی محفل میں چائے ہو گی

ہم ٹھرکیوں سی ڈھیٹ کسی حال میں نہیں ہے
جتنی بھی ماڈرن ہے وہ لڑکی تو ''شائے'' ہو گی

دو ہی دِنوں میں ہوش ٹھکانے لگا دیئے ہیں
خوش فہمی تھی بہو میری اللہ کی گائے ہو گی

پابندی سے خضاب لگاتے ہیں جس طرح سے
ویسے کبھی جناب کی نیت بھی ''ڈائے'' ہو گی؟

مطلب کا ہے تو جھوٹ بھی سچ سے سوا ہے اُن کا
سچائی بھی جو حق میں نہیں ہے تو ''لائے'' ہو گی

یہ مختصر ترین فسانوں کا دور ٹھہرا
اب داستانِ عشق بھی ہائے تا بائے ہو گی

غیر سیاسی کردار

اب تو آئین کو قانون کے عامل بھی ہیں فیل
جو اُتارے نہیں جا سکتے ہیں یہ وہ جن ہیں
جن کا کردار سیاست میں تو بنتا ہی نہیں
وہ سیاست میں ضرورت سے زیادہ اِن ہیں

نومئی

اپنے وطن سے پیار اگر ہے تو ہر جگہ
اظہار اُس کا بہرِ وضاحت کیا کریں
تقریب کوئی بھی ہو، تلاوت سے پیشتر
سب لوگ نومئی کی مذمت کیا کریں
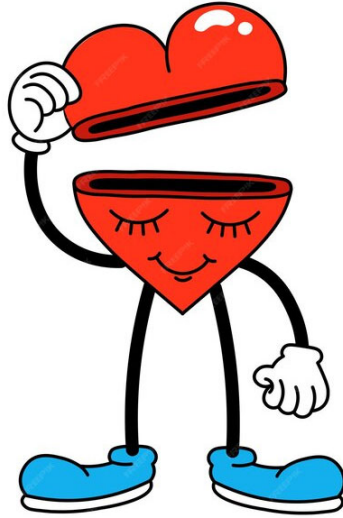
یہ کیسی بونگی مار بیٹھے بزم میں تم زیرِ لب
روئے شریکاں پر بھی کھل اٹھا تبسم زیرِ لب

کچھ پھوٹ نہ پائی زباں خوفِ فسادِ خلق سے
ملا نے دکھلانا تو تھا زورِ تکلم زیرِ لب

یہ شب کا پچھلا پہر اور بد ذوق ہمسائے ترے
بہتر ہے کہ بن لے شہنشاہِ ترنم زیرِ لب

اس شوخ کے منہ میں دبی ہیں موٹی موٹی گالیاں
اک روسیہ کے واسطے ہیں ماہ و انجم زیرِ لب

کر بھی چکے ہیں منہ ہی منہ میں رقباء سے اعلانِ جنگ
اپنے تئیں فرما چکے سب سے تصادم زیرِ لب

بدلے گا گیئر طنز کا، اسپیڈ دے گا بعد میں
اس باب میں کرنے لگا کوئی تقدم زیرِ لب

ملتا اگر بازار سے، لے لیتے فتویٰ شیخ جی
سو رہ گئی ہے حسرتِ زوجۂ پنجم زیرِ لب

دکھلائی ہے کیا زور وزر والوں نے لتر کی جھلک
کیوں ہو گیا ہے نعرۂ مستانہ گم سم زیرِ لب

کھا بے بھی رکھیں روک کر، دبکے بھی ماریں مقتدر
ہم تم ہیں محوِ مرثیہ خوانِ گندم زیرِ لب

(جناب ناصر ملک کی ایک غزل کی پیروڈی)

اُن کے دُر کہنے کا صدمہ نہ تری بات کا دکھ
جب ذلالت ہی مقدر ہے تو کس بات کا دکھ

رال اب اور پہ ٹپکانا تو جلتی پہ ہے تیل
حیطۂ تاڑ میں کوئی نہ کسی گھات کا دکھ

میز سے چائے کے اُڑتے ہوئے آئے تھے دو کپ
گومڑے میں لئے پھرتا ہوں ملاقات کا دکھ

کن کے گھونسوں کے کرم سے میرا بوتھا ہوا لال
کیوں چھپائے سے چھپایا نہ گیا رات کا دکھ

سر پہ اب بال نہیں، نقشہ ہے میکسیکو کا
کس کی بیگانہ روی سے ہے حجامات کا دکھ

میرے گھر میں ہو غدر تو سبھی حظ لیتے ہیں
بہرِ ہمسایہ اُٹھاتا ہوں فسادات کا دکھ

اِتنا چپ چاپ نہ رہ، خانگی رن کے غازی
بھر عطا اللہ نیازی کے سے نغمات کا دکھ

کر کے تیری یاد کی شورش کو سناٹوں میں دفن
رفتہ رفتہ ہو گئے ہم لوگ خراٹوں میں دفن

پھیلتی جاتی ہیں باچھیں منصفانِ ڈھیٹ کی
ہو گیا انصاف بھی میزان کی باٹوں میں دفن

قصہ ہائے مومنانِ عہد رفتہ مت سنا!
ہائے اب تو اُن کے وارث ہو گئے کھاٹوں میں دفن

یوں ترا ارماں ہے دنیا داریوں کے درمیاں
قیمتی سامان ہو جیسے کہیں لاٹوں میں دفن

کھو گئی میری اکائی رشتوں ناطوں میں کہیں
زندگانی ہو گئی ہے لمبوؤں ناٹوں میں دفن

میں بھی گھر والا ہوا، تُو بھی پیا کے ہاں چلی
گویا ہے دِل کا لکھا تقدیر کے کاٹوں میں دفن

تُو تو یہ کہہ کر ہوا رخصت ''چلو! چھٹی ہوئی!''
جانے والے ہم ہیں تیرے ہجر کے گھاٹوں میں دفن

''جاوے ٹُٹ پینے کرونے! تیرا تے ککھ نہ روے!''
کیسے کیسے حسن والوں کو کیا ڈھاٹوں میں دفن

رہ گئے ہیں اب تو بس لکھے پڑھے بابو سبھی
سرفروشی ہو چکی ''موئے مُکے'' جاٹوں میں دفن

آج برسی تھی، اُسی کی کھائی ہیں بریانیاں
آپ نے جن کو کیا گاڑی کے فراٹوں میں دفن

شعر کی تہذیب کو فکرِ معیشت کھا گئی
کوئی گھی میں گمشدہ ہے تو کوئی آٹوں میں دفن

اگلا نمبر

سردار کا گھر والی سے جھگڑا ہوا
سوچا کہ ایسی زندگی کا فائدہ؟
اِس سے تو بہتر ہے کہ ہو زوجین کا ہی خاتمہ

پستول کنپٹی پہ رکھا طیش سے
بیوی سے بولا "دَندا ایویں کڈھ نہ وے؟
اگلا ترا نمبر ہے، یہ اچھی طرح سے جان لے!"

ایک رُباعی
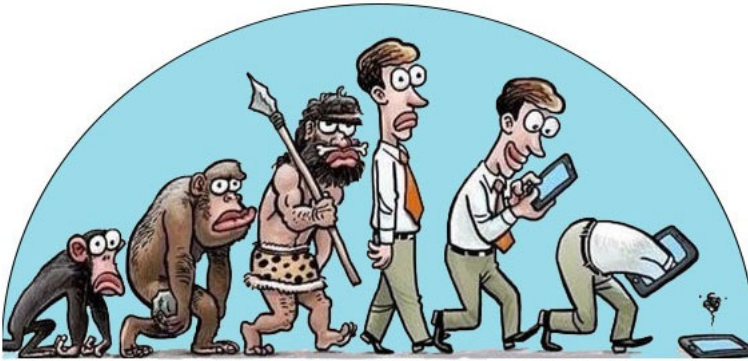
اِک جادوگری دنیائے حرفی تو نہیں
اِنسان کی بدبختی کی سیڑھی تو نہیں
عالم تو سمجھتا ہے اِسے اوجِ کمال
یارب یہ بھی معکوس ترقی تو نہیں

بن گئے دولہا ہی! الوداع!!
کر چلے خودکشی! الوداع!!

پیڑ پر میں ٹنگا رہ گیا
اور وہ کہہ گئی الوداع

آنیاں جانیاں، کیا کہیں
کبھی ''راشہ'' کبھی ''الوداع''

عشق کا کیسا پرچہ ملا
ہو چلے ہیں سبھی الوداع

اِذنِ رخصت نہیں دے رہا
آپ کا سرسری الوداع

تیری محفل سے ٹھینگا ملا
ہو چلے ہیں یونہی الوداع

کس طرح مانیں مجنوں میاں
کیوں کہے لیلیٰ بی الوداع

بات تھانہ کچہری چلی
تو غمِ عاشقی الوداع

حُسن گچی سے پکڑا گیا
حُسنِ پہلوتہی الوداع

تیری زلفوں کے قیدی چھٹے
سگِ آزاد بھی الوداع!

رہ گئے بن کے چشماٹو ہم
زعمِ دیدہ وری الوداع

اب میں ہوں اور فکرِ شکم
اے مری شاعری الوداع

پھر نومئی

زچہ خانوں کو بھی کر لیجے مینیج
کوئی گستاخی کی جرات نہ کرے
کوئی پیدا ہی نہ ہونے پائے
نومئی کی جو مذمت نہ کرے

لفافی

کہنے کو تو صحافی ہے وہ
کالے دھن کا غلافی ہے وہ
بِکنے والا لفافوں پہ ہے
بکنے والا لفافی ہے وہ

کہہ گیا جانے کیا سرسری
کوئی ''مر ہی گیا'' یا ''مری''

بات جو ہم نے پنڈی میں کی
وہ کراچی میں اُس نے کری

کس طرح بھوتنی بن گئی
عقد سے پہلے تھی جو پری

ٹاک شو دیکھ کر یہ کھلا
اِک چول پن ہے دانشوری

کیسے جمہوریت ہے بھلا
یہ سیاست کی بازیگری

باس کا بھی ڈسا ہوں مگر
گھر میں بیگم کی یہ افسری

رول نمبر ہوں عشاق کے
اُن کے در پر لگے حاضری

تُو کرے گی مجھے دِل بدر
اِتنا ایزی نہیں ہے، اری!

سننے والے ہیں کھوٹے ظفرؔ
بات کیسے کروں میں کھری

بالا افراد

(ترائیلے)

وہ جو بالا طبقے کے افراد ہیں
اُن کی بالا آمدن بھی ہے سوا
ہر جگہ وہ لوگ زندہ باد ہیں
وہ جو بالا طبقے کے افراد ہیں
سیلری جتنی بھی ہو دلشاد ہیں
بینک کھاتوں کا چمن بھی ہے سوا
وہ جو بالا طبقے کے افراد ہیں
اُن کی بالا آمدن بھی ہے سوا
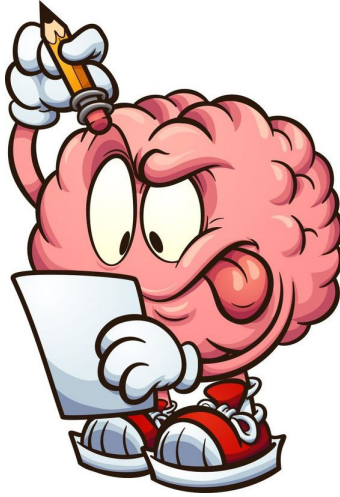
تیرے لئے وہ پیار سراسر ہے خسارا
جس نے تیری گھروالی کو ہر سال اچارا

یہ سوچ کے "کھاؤ" ہمیں بھاؤ نہیں دیتے
"آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا"

کیا جینز کی پتلون سمیٹے گی جوانی
گوری کے نصیبوں میں غرارا نہ شرارا

شائد اُسے حاجت ہے تموج میں ہماری
پہنچیں گے کنارے تو وہ کرلیں گے کنارا

میں بولا کہ کل گھاس بھی ڈالی نہیں مجھ کو
وہ بولا کہ ہیں! آپ تو کھاتے نہ تھے چارا

گوگل بھی شبِ ڈیٹ رقابت پہ تلا تھا
اُوبرَ نے خدا جانے کہاں جا کے اُتارا

کتوں نے ہی کب دوڑ لگائی میرے پیچھے
مجھ کو تیرے کوچے میں رقیبوں نے بھی مارا

میں ایک سا ''سُکلُو'' ہوں تو تُو آٹھ سی ''گپلُو''
مل جائیں جو جیون میں تو بن جائیں اٹھارہ

راڈار پہ آیا کوئی آوارہ تبسم
تو زلف کی جھالر کو بھی گنجم نے سنوارا

چنتخابات ۲۴ پر

بُوٹ والوں کے تنوروں کا محافظ ٹھہرا
سعد ہو یا ہو کوئی چور، اسمبلی ممبر
ووٹ ہم دیں گے الیکشن میں، ہمارا حق ہے
اور چن لے گا کوئی اور اسمبلی ممبر

سیاسی کارکن

لیڈرانِ قوم ہیں شاطر بساطِ عصر کے
آپ کو یا ہم کو برتانا تو اُن کا کھیل ہے
کارکن شطرنج کے مہروں سے نہیں بڑھ کر ظفرؔ
اِن کو لڑوانا یا کٹوانا تو اُن کا کھیل ہے

کھجوریں

لازم سمجھتے ہیں سب پکوان میں کھجوریں
ماہِ مقدّسہ کے سامان میں کھجوریں
افطار کے سمے کے دوران میں کھجوریں
تھرپارکر سے لے کر کاغان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

شیرینیوں کا ایسا پیکج دیا ہے رب نے
چکھا ہے اِن کو جب بھی بے ساختہ طلب نے
جنت کا میوہ کیسے ہے، جانا ہے یہ سب نے
اِس واسطے ہیں سب کے رومان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

صیام کے مہینے جا جا کے لاتے ہیں ہم
روزہ کشائیوں کا میوہ بناتے ہیں ہم
جونہی اذانِ مغرب ہوتی ہے، کھاتے ہیں ہم
جاں ڈالتی ہیں گویا تب جان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

اِن کو خریدنے کا کیسے قرینہ آئے
جب قیمتیں ہی سُن کر دانتوں پسینہ آئے
سو اپنے بخت پر کیوں ہم کو ہنسی نہ آئے
بس میں نہیں کسی بھی عنوان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

یہ نہ اگر ہڑپیں، روزہ نہیں کھلے گا
جنت کو جانے والا رستہ نہیں کھلے گا
دھکے سے کھل گیا تو پورا نہیں کھلے گا
گویا ہیں اپنے جزوِ ایمان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

رمضان کے مہینے میں سارے اِن کو چاہیں
چلغوزوں کی طرح یہ خاصی گراں بہا ہیں
عشاق ہیں کہ پھر بھی اِن سے وفا نبھائیں
مانگی ہیں ڈاکوؤں نے تاوان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

کہتے ہیں کہنے والے عجوہ غذا ہے دل کی
اور گھٹلیوں میں اِن کی از حد شفا ہے دل کی
پر جو ہے اِن کی قیمت یکسر قضا ہے دل کی
پاؤ گے دردِ دل کے بحران میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

میڈجول کہ مراکش کی اک سوغات ٹھہری
جتنی بڑی بڑی ہیں، اُتنی ہیں میٹھی میٹھی
شوگر ہے جن کو، کرلیں بس احتیاط تھوڑی
لائیں تو پہلے اپنی پہچان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

جو زاہدی کھجوریں ہیں، بے مثال ہیں سب
ٹیبل پہ چپ ہیں لیکن شیریں مقال ہیں سب
سب کو دکھائے اپنا روئے جمال ہیں سب
نعرے لگا کے آئیں میدان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

گو نام سیر ہے پر کھا کر نہ سیر ہوں ہم
ٹھرکی نظر اسی پر رہ رہ کے جائے پیہم
اِس کے رسیلے تن کا لہرائے ہر سو پرچم
ایسی ہیں اور بھی کچھ ایران میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

میرے کلام میں سے نکلے بھڑاس اِن کی
ہر اک خیال میں ہے گویا بتاس اِن کی
ہر شعر سے جھلکتی دیکھو مٹھاس اِن کی
بسکہ ملیں گی میرے دیوان میں کھجوریں
کیا کیا چلی ہیں یارو رمضان میں کھجوریں

ہنس دیتے ہیں جو حالِ دلِ زار بولئے
سمجھے ہیں ہم کو آپ بھی شاید مخولئے

پانی بھی ہل کے پینا تو دفتر میں تھا محال
گھر میں تو حکمِ زوجہ پہ برتن بھی دھولئے

لیول شوگر کا ہائی ہمیشہ سے ہے مگر
سرکار گفتگو میں بھی تھوڑی سی گھولئے

اچھا تو یہ بھی فیشن کا ہے پیرہن کوئی
میں سمجھا تھا جناب لپیٹے ہیں تولئے

معصومیت چھپی نہیں رُوئے شریف کی
ہم جیسوں کو تو بیچ کے کھا جائے، بھولئے

بے حرمتی یہ دخترِ رز کی ہے صاف صاف
لیموں کا جوس پی کے نہ پھوکٹ میں ڈولئے

جب ڈنک مارتے ہیں تو کھُلتا ہے ماجرا
لگتے ہیں ورنہ کینچھوے اکثر سپنولئے

کیا فوج میں ہیں خواجہ سراؤں کی پوسٹ پر؟
یہ ہے سوال، اِس پہ نہ غصے سے کھولئے!

وہ چاہے منزلیں تھیں یا اندھا کنواں ظفرؔ
لیڈر جہاں بھی لے چلے، ہم ساتھ ہولئے

نیرنگئ زمانہ

میٹرک میں ہو کے جو ناکام میدانِ عمل میں آ گیا
دیکھ لیجے! اب وہی اک شہر کا مشہور بزنس مین ہے
اور یہ فدوی کہ جو پڑھتا رہا، پڑھتا رہا پڑھتا رہا
آج اُس کی کمپنی کی اِک اسامی کے لئے بے چین ہے

مبصر

تبصرے کرتے رہے ہیں میڈیا پر آن کر
جو ہمیں سنتا رہا اُس نے ہمیں مانا ہے کچھ
اور جب دیکھا نتیجہ اپنے حلقے کا ظفرؔ
ہم نے یہ جانا ہے کہ ہم نے نہیں جانا ہے کچھ
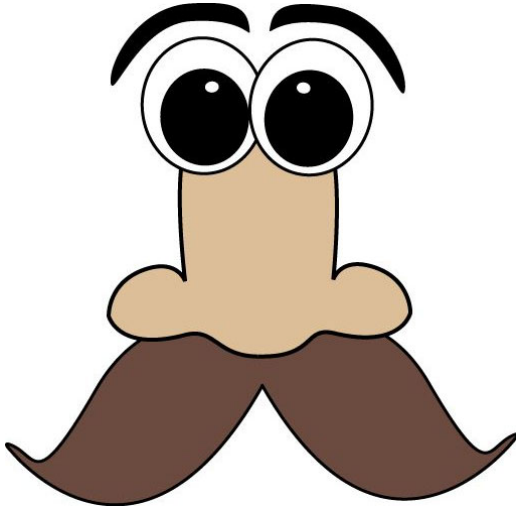
پالی ہوئی تیری بڑی چاؤ کی یہ مونچھ
لگتی ہے کسی اُودھ بلاؤ کی یہ مونچھ

کر ڈالا کسی ذات کو بھاری بھرکم
کہنے کو تو ہے ڈیڑھ ہی پاؤ کی یہ مونچھ

چہرے پہ ہے تجرید نگاری کی طرح
آزاد ہے کیسی بلا تاؤ کی یہ مونچھ

دریا پہ جمائے چلے جاتے ہیں کیا رعب
دو چپو ہیں یا ہے کسی ناؤ کی یہ مونچھ

کل جلوۂ ہٹلر پہ قدم رنجہ رہی
تاریخ میں دیکھی بڑے بھاؤ کی یہ مونچھ

بن جاتی ہے عاشق کی متاعِ ہستی
جب حُسن کے کھاتے ہو لبھاؤ کی یہ مونچھ

اِک دھوم اسمبلی میں مچاتی رہی ہے
راجے کی، رئیسانی کی، راؤ کی یہ مونچھ

حالات کے ریزر تلے آجاتی ہے ریش
اور شیو کے بے ربط بہاؤ کی یہ مونچھ

اے کاش مرے ووٹ کو عزت مل جائے
اسٹینڈ کرے اہلِ چناؤ کی یہ مونچھ

مجبوری

(جناب ناصر ملک کی نظم "مجبوری" کی پیروڈی)

جانتا ہوں کہ وہ
پاس سے گزرا تو
تاڑ لے گا مجھے
(اپنے مقروض کو)
پھر بھی جانا وہاں
ہے ضروری بہت
یہ ولیمہ ہے سو
اُس سے بچنا بھی ہے
کھانا کھانا بھی ہے

اُس سے ہر بات پہ سنتا ہی رہوں کیوں اونہوں
کیوں نہ میں اُس کو اُسی کی طرح کہہ دوں اونہوں

ایک ہم ہیں کہ ہوئے جاتے ہیں ریشہ خطمی
ایک وہ ہیں کہ مسلسل وہی اونہوں اونہوں

یوں کسی نام کی گردان نہیں کر سکتا
جیسے ہوتی ہے کسی بچے کی روں روں اونہوں

کام پڑ جائے تو آتا ہے بنیرے اُڑ اُڑ
دانہ چگ لے تو کہاں اُس کی غٹر غوں، اونہوں

دوسروں پر تو رہے چشمِ عنایت از حد
میری جانب بھی کرے دیدۂ میگوں، اونہوں

لہلہاتا ہے مرے کھیتوں میں جس شان کے ساتھ
ویسے بھر جائے مرے گھر میں بھی گیہوں، اونہوں

ہر حماقت کا اعادہ نہیں ہوتا ہرگز
پھر ترے نام پہ دھڑکے دلِ محزوں، اونہوں!

کوئی بھِنّا کے تجھے لات بھی جڑ سکتا ہے
یونہی ہر شخص سے کرنا نہیں موزوں اونہوں

وہ بھلی لوک ہی بیساختہ کہہ اُٹھتی ہے
کبھی لیلیٰ سے تو بولا نہیں مجنون اونہوں

ضد پہ لاتی چلی جائے میرے کیانی پن کو
بڑھتی جائے تیری سرکار میں جوں جوں اونہوں

انتخابی محبت

انتخابات میں کھڑا ہوا ہے
تو بھلے اپنے ووٹ کو جائے
اِتنا کنوینس بھی نہ کرلے اُسے
کوئی رشتہ ہی اُس سے ہو جائے

کاروبارِ عشق

جاب نہ ہو تو اِس فرصت سے موقع پاکر
حسنِ کافر پر سو جان سے مر سکتے ہیں
آ سکتی ہے عشق میں شب بیداری کی خُو
آپ کہیں پر چوکیدارہ کر سکتے ہیں

کاش دِل والوں سے ہوتی حُسن والوں کی پرکھ
اُن کے نخروں کی سمجھ یا اُن کی چالوں کی پرکھ

ایک دِن انڈے کی طرح چاروں مل کر پھینٹ دیں
آپ کے شوہر کو بھی ہو جائے سالوں کی پرکھ

کیا کھلیں کالوں پہ اُن کی نیتوں کی کالکیں
گوریوں سے بھی کہاں ممکن ہے کالوں کی پرکھ

یوں تو ساری عمر نہ وہ ہم کو ٹھینگوں پر دھریں
کچھ مثالوں سے اگر ہو بے مثالوں کی پرکھ

دردِ دِل کے واسطے پیدا ہوئے انساں مگر
توند والوں کو کہاں ہم خستہ حالوں کی پرکھ

ہم زمیں والے تو پھسلیں اِن کے چکنے حُسن پر
ہوگی زہرہ والوں کو زہرہ جمالوں کی پرکھ

ایروں غیروں سے گلہ بنتا نہیں ہے مطلقاً
نال والوں کو نہیں جب میرے نالوں کی پرکھ

یہ معیشت داں ہمیں لے کر کہاں پر آ گئے
نہ کمالوں کا پتہ ہے نہ زوالوں کی پرکھ

ہم کو بھی پہچان ہوتی کچھ تو جنس حُسن کی
خان کو ہے جس طرح لکڑی کے ٹالوں کی پرکھ

اِس لئے غائب رہا ہوں چھے مہینوں تک ظفرؔ
خفیہ والوں کو تھی میرے سب سوالوں کی پرکھ

ایک رُباعی

ٹائم ہے حسینوں کا جدا "دیر کے بعد"
میں ہی تھا، غبی پلے پڑا، دیر کے بعد
سو بیٹھا رہا، بیٹھا رہا، بیٹھا رہا
وہ بولی تھی، آتی ہوں ذرا دیر کے بعد

مزاحیئے

کیا گوری ہو قابو میں
بول رہے ہیں ہم
انگریزی بھی اردو میں

جب رینٹ کا ہو مسکن
خانہ بدوشوں سا
کاہے کو نہ ہو جیون

یوں زِچ نہ کرے کوئی
طعنے "رنوں" جیسے
"گل وِچ" نہ کرے کوئی

حق سچ پہ وہ کیوں کھولیں
چاند کو دیوانے
کیا چاند نہیں بولیں

قسمت مرے بھائی کی
بن گیا ہے فیشن
غلطی تھی سلائی کی

یوں ماڈ نہ ہو پائے
جینز اگر پہنے
تو چال بگڑ جائے

کیوں ناچتے ہیں چیتے
میچ وہ جیتے ہیں
پر ٹاس تو ہم جیتے

ہر سمت جھولا ہے
عشق جسے کہئیے
بس رولا ہی رولا ہے

بیرک میں نہیں ٹکتے
ڈھول سپاہی جو
ہٹوں پہ نہیں بکتے

یہ میرا ہی بوتا ہے
کاوِش بیکاری
سب کو کہاں آتا ہے

سمجھیں گے کمائی کی
دے لیں جو بچوں کی
اسکول کی فیسیں ہی

ہم بخت کے مارے ہیں
اپنے ستارے تو
دمدار ستارے ہیں

یہ دنیا وہ گھوڑا ہے
بات سُنے اُس کی
جس ہاتھ میں کوڑا ہے

وارے سے ہی باہر ہے
گوشت نصیبوں میں
بس عیدِ بقر پر ہے

اب حال سنائیں کیا
اُلٹا کلینڈر ہے
ہم جیسوں کے بھاگوں کا

والد بھی ہے چکراتا
بچے ہیں اب کتنے
اب گن ہی نہیں پاتا

کر پائے کیا البیلا
جیب ہو خالی تو
پھر دنیا کا کیا میلہ

"وڈکوں" کی اگر ہے پک
بونا ہے تو پھر بھی
لیڈر ہے سُپر سانک

ہر آنکھ ہے درشن پر
لاڑا تو ہو نہ ہو
پر سوٹ ہے جوبن پر

یہ پلے نہیں پڑتا
یاد کیوں آتا ہے
جو یاد نہیں کرتا

مہجور ہو جتنا بھی
افسرِ اعلیٰ کو
بھاتی ہے خوشامد ہی

جس گھر میں بھی دانے ہیں
سمجھو کہ پھر اُس کے
بدھو بھی سیانے ہیں

اب کون ہے کس سے پن
سر سے اُتارا ہے
تہذیب کا ہر اک جن

جس کا گھر والی سے پڑ جاتا ہے یُدھ
وہ تو گویا خود سے فرماتا ہے یُدھ

ہر گدھا اوروں کی تفریح کے لئے
خانگی جھگڑوں میں ڈلواتا ہے یُدھ

جاننے لگتی ہے وہ خود کو عقاب
اِس قدر پدّی کو بھڑکاتا ہے یُدھ

بسکہ ہر عاشق نہیں مجنوں تو پھر
کاہے کو ہر کھیڑا گرماتا ہے یُدھ

بارہا معمولی باتوں پر ہوا
ایسا لفڑا جس سے شرماتا ہے یُدھ

شامتِ اعمال دیتی ہے صدا
تو کسی کے حال پر آتا ہے یُدھ

بھونکتا ہے کاٹ کھانے کے لئے
سرحدوں پر آکے غراتا ہے یُدھ

جوہری بم کا کھلونا مل گیا
جنگ جُو بچوں کو بہلاتا ہے یُدھ

حق ہمسائیگی ہے شاید ظفرؔ
جنگ سے جو سینگ بھڑواتا ہے یُدھ

رَن

آ کے پنجابی بن گئی اُردو
خود کو رن بہرِ رن سمجھتی ہے
گاڑ دیتی ہے طنز وطعن ظفرؔ
دِل کو کیا "پن کشن" سمجھتی ہے

مینڈیٹ چور

یہ دیس مرا دیس تو چوروں کی ہے جنت
دیکھی یہاں ہر ریٹ کی ہر ویٹ کی چوری
اِک چور ہے ایسا جو دکھائی نہیں دیتا
کرلیتا ہے ہم آپ کے مینڈیٹ کی چوری

اندھا دھن جو لوگ میاں سڑک گئے ہیں
اُن کے اسٹیکر رستوں پر چپک رہے ہیں

رقص یوں شدت سے رقاصاؤں پر آیا
لہراتے لہراتے اکثر مٹک گئے ہیں

گھر سے تو آئے ہیں ٹاپو ٹاپ وہ لیکن
آ کر پاس کے چوراہے پر اٹک گئے ہیں

انساں ہیں تو ویسی ہوں جسمانی مشقیں
بندر ہیں کہ شاخ سے اُلٹے لٹک گئے ہیں

کل جو کاٹتے آئے ہیں اوروں کے رستے
آج انہیں کے نالے تا بہ فلک گئے ہیں

فون یہ کس کا آیا ہے کہ کھل کھل اُٹھے
بوتھے تا بہ ٹنڈ کسی کے چمک گئے ہیں

ہوتے ہوتے صبر ہمارا بول گیا ہے
نہ نہ کرتے ظرف ہمارے چھلک گئے ہیں

کرتے ہیں جمہوری استحقاق کی باتیں
لگتا ہے کہ ظفرؔ میاں کچھ کھسک گئے ہیں

بدیسی

(مصطفیٰ زیدی کی ایک نظم "بدیسی" کی پیروڈی)

ساتت سمندر پار سے لایا پھجا گوری دیس
پورے دیس پہ دائر ہو جیسے پورب کا اک کیس
لمبی لمبی اُس کی زباں ہے تلواروں کی کاٹ
باتیں ایسی، کہی نہ جائیں، ڈالے جائیں ڈانٹ
انکھڑیاں یا پہلو بہ پہلو دو کنویں ہوں ڈیپ
مطلب کی ہو بات تو اُن میں جل اُٹھیں دو دیپ
جتنا بھی دو، کم ہے اُس کو، مانگے اور سپیس
پھجا لایا گوری دیس

تپتی دھرتی، جلتا سورج، نئی نئی ہر بات
اے سی کے اندر ہی گزرے دِن ہو یا ہو رات
ٹانواں ٹانواں کپڑے پہنے، دکھلائے وہ ڈھنگ
دیکھنے والا دیکھے تو رہ جائے کیا کیا دنگ
ٹوٹی پھوٹی اُردو میں ابلاغ سے ڈالے ریس

پھجا لایا گوری دیس
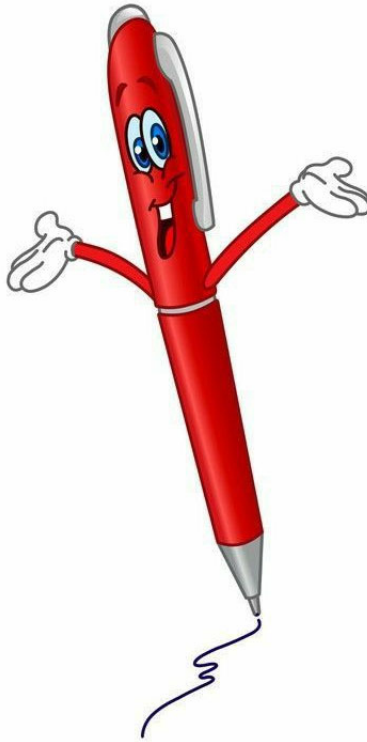
سسرال میری طرح سے جا کر گزار عید
جیسے منائے کوئی غریب الدیار عید

''انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ''
چھٹیاں تو دے گئی تھی اُنہیں چار چار عید

دِل جیب کترے کی طرح یوں باغ باغ ہے
جیسے ہوا کہ معانقہ اِس کی ہزار عید

بکروں نے ان سے ایسی بھی کیا واردات کی
عیدالاضحی کو کہنے لگے ''سینگ مار عید''

درویشوں اور خویشوں کے حصے فریز کر
سارا ہی بکرا مار لے، ساری ڈکار عید

بھانجے بھتیجے درجنوں ہتھیائیں عیدیاں
اپنا منائے ایک ہی برخوردار عید

بھینسے نے سر جھکا لیا، قربان ہو گیا
خود سر تھے سب کے نفس، رہی بے مہار عید

جیسے ہماری غیرتِ ملّی رہن پہ ہے
ویسے ہی لگ رہی ہے مجھے تو ادھار عید

مہنگائی کی ''کُڑّکی'' میں سب ہیں پھنسے ہوئے
آئے ہر اِک حواس پہ ہو کر سوار عید

پھر سے ہو عید کارڈ میں بونگا سا حالِ دِل
خر کار ارتقاء سے کریں واگزار عید

شاعر کی روں روں تو کبھی مکتی نہیں ظفرؔ
آتی ہے خوشیاں بانٹنے تو بار بار عید

پوسٹ الیکشن ۲۴ سہ گانا

(فلم نائلہ کے لئے حمایت علی شاعرؔ کے دوگانے کی پیروڈی)

زرداری پارٹی:

جال پھیلائے ہوئے بیٹھا تو ہوں میں کب سے
کوئی لوٹا جو اِدھر آئے تو کچھ بات بنے

لوٹا گروپ:

میں ترے ساتھ تو مل جاؤں مگر تو ہی بتا
مقتدر ہونے کی کچھ تجھ میں طلب ہے کہ نہیں
میری قیمت کو سمجھتے ہوئے بولی تیری
میری تضحیک و تمسخر کا سبب ہے کہ نہیں
یہ جو الجھن ہے سلجھ جائے تو کچھ بات بنے

نورالیگ:

مجھ سے کر بات، مری ہوگئی ہے او پر بات
آ کہ اس قوم کی تقدیر کو "چو" کرلے جائیں
یہ خزانہ جسے اب تک کوئی ڈاکو نہ ملا
سارے مل جل کے اِسے کھوتے پہ ڈھو کرلے جائیں

لوٹا گروپ:

اب کے حسرت یہ نکل جائے تو کچھ بات بنے

زردار پارٹی:

میرے منصوبے ہیں کیا کیا، تو ذرا آن کے پوچھ
چاہتا ہوں کہ تری میری سدا بات چلے

لوٹا گروپ:

ویسا بن جا تو مرا جیسے مجھے چاہتا ہے
ایسا ہو جائے تو فدوی بھی ترے ساتھ چلے
تھوڑا حصہ مجھے مل جائے تو کچھ بات بنے

شریکِ مجلسِ حسن و شباب میں ہی تھا
کہ سر پہ تھوپ کے آیا خضاب میں ہی تھا

اڑنگی باز تھا عشّاق کے لئے یہ سماج
اور ایک ہڈی تو زیرِ کباب میں ہی تھا

وہ میسنا کہے جاتا تھا موقع بے موقع
ہر اک بیان کا لبِ لباب میں ہی تھا

وہ جس کے پاؤں کو کچلا تھا پائے اقدس نے
یقین کیجئے عالی جناب میں ہی تھا

تری رقیب نوازی سے یہ کھلا مجھ پر
نقاب جس سے تھا وہ بے حجاب میں ہی تھا

جو وارداتیئے تھے، وہ تو ہو گئے تھے ہوا
وقوعہ سے تو فقط بازیاب میں ہی تھا

جو چاہتی تھی وہ بیگم مجھے کھلاتی تھی
کہ اُس کے حصے میں لکھا ثواب میں ہی تھا

وہ جس کے ظرفِ مسلمانی کو قبول نہیں
اسے ریاضی کہو یا حساب، میں ہی تھا

مرے ہی پائے معطر سے کھلبلی تھی بہت
کہیں پہ کمرے میں رکھی جراب میں ہی تھا

بنائے رکھا ہے فٹبال جلوؤں نے مجھ کو
تمام عمر بدلتا نصاب میں ہی تھا

زمین بوس بھلا شامیانہ کیوں ہوتا
نویدؔ کاٹی تھی جس نے طناب میں ہی تھا

پاکستان

سے زندہ بھاگ
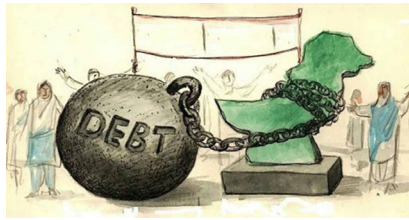
ملک و قوم پہ واری تھے
کل تک ہم بھی تھے دلشاد
کوند رہی تھی تن من میں
حب الوطنی کی اِک رعد
کہتے پھرتے تھے ہر دم
پاکستان پہ زندہ باد
پر اب اپنا بھی ہے راگ
پاکستان سے زندہ بھاگ

خودسر مہنگائی کا جن
اب ہے بوتل کے باہر
روزی خاک میسر ہو
کاروبار ہیں چھومنتر
جیون ہوتا جاتا ہے
مشکل سے بھی مشکل تر
قسمت میں ہے دال نہ ساگ
پاکستان سے زندہ بھاگ

اُمراء کی عیاشی ہے
اور ہم بھوکوں مرتے ہیں
وہ جو چاہیں کر گزریں
ہم بس آہیں بھرتے ہیں
اُن کے بخت میں ہے پیزا
نانِ جویں ہم چرتے ہیں
کیسے بدلیں اپنے بھاگ
پاکستان سے زندہ بھاگ

پولیٹیشن بدعنوان

کھیلیں باری باری جو

اہلِ وطن کی دولت پر

رحم کریں نہ مطلق وہ

ملک ہڑپہ لگتا ہے

ایسے ہڑپیں ہر شے کو

ہر سو بل کھاتے ہیں ناگ

پاکستان سے زندہ باگ

ڈھول سپاہی کا مت پوچھ

سر پر چڑھ کر بیٹھے ہیں

جن کا کام تھا سرحد پر

کاخ و کو میں پھرتے ہیں

دشمن سے کیا لڑنا ہے

ہم سے ٹکرے بیٹھے ہیں

غراتے ہیں ہر سو ڈاگ

پاکستان سے زندہ بھاگ

بے وطنی بھی ہے منظور
اُڑنے کو تیار ہیں سب
ویزوں کی دشواری ہے
ورنہ اب بیزار ہیں سب
رستہ مل جائے تو پھر
سمجھو کہ اُس پار ہیں سب
بیٹھ چکی ہے ساری جھاگ
پاکستان سے زندہ بھاگ
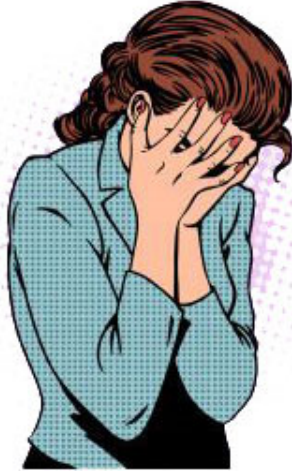
جب بھی آوازہ ٹھکُتا ہوا لگ گیا
کیسے سر پر اُٹھائے کوئی جگ گیا

اُس ستمگر نے لسی شڑوپی تو ہے
میں اگر لے کے کافی کا اِک مگ گیا

کیس بیگم کی شاپنگ کا مضبوط ہے
ساتھ دیدوں سے پانی اگر وگ گیا

حسن میک اپ کا اُپلا تھا اُس روپ پر
ہائے! بچہ سمجھ کر مجھے ٹھگ گیا

میں اُسے وصل کیسے کہوں دوستا!
کوئی کب دے کے بھرپور سا ہگ گیا

پاسِ رشتہ تھا ورنہ بدن کہتا ہے
''وُ'' ساونڈ میں کچھ فالتو لگ گیا

شر پسندی کا پرچہ تو کٹنا ہی تھا
کوئی لیڈر کو کہہ کے اگر ٹھگ گیا

گھر کا رستہ تھا بھولا ہوا غالباً
پیچھے مجنوں کے لیلیٰ کا بھی سگ گیا

جیب کتروں نے بخشا ہے کس کو ظفرؔ
میری چیچی کے چھلے کا بھی نگ گیا

دوھری اذیّت

(ترائیلے)

اب زوجۂ فدوی کو یہ دوھری اذیت ہے
سوجن بھی گلے میں ہے، بولا بھی نہیں جاتا
جو درد گلے کا ہے، لاریب مصیبت ہے
اب زوجۂ فدوی کو یہ دوھری اذیت ہے
ناوقت زباں بندی یکطرفہ قیامت ہے
اب بھید پڑوسن کا کھولا بھی نہیں جاتا
اب زوجۂ فدوی کو یہ دوھری اذیت ہے
سوجن بھی گلے میں ہے، بولا بھی نہیں جاتا

جو تجھ میں دیکھا، سب کا سب اچھا بُرا اُس نے کہا
نظروں کو ناوک تو زباں کو اِک "چھُرا" اُس نے کہا

پھر کون آئے گا ہتھیلی پر متاعِ جاں دھرے
ہر اِک فدائی کو اگر یوں میسنا اُس نے کہا

دِل کی لگی کچھ ایسی تھی، مت دے نہ پایا ناصح بھی
تو ڈاکٹر بن بیٹھا، مجھ کو لا دوا اُس نے کہا

جو عقد سے پہلے تجھے کہتا رہا حور و پری
اب اُس پہ کیا گزری ہے کہ تجھ کو بلا اُس نے کہا

آتی ہیں افواہیں کہاں سے، کچھ پتہ چلتا نہیں
اُس نے سُنا میں نے کہا، میں نے سُنا اُس نے کہا

محبوب کا تو ''دُر فٹے منہ'' کہنا بھی سر آنکھوں پر
عاشق کو لگتا ہی نہیں کچھ ناروا اُس نے کہا

اب انگلیاں کیوں ٹھونستا پھرتا ہے کانوں میں کوئی
کل سوچ کر کیا مجھ کو آخر بے نوا اُس نے کہا

یہ دیکھنے کے واسطے چالیس بندے مر گئے
وہ کون سی لڑکی ہے جس کو مرحبا اُس نے کہا

ہر سمت سے آنے لگی ہے ڈھینچوں ڈھینچوں کی صدا
ہر اِک گدھا ہے معترض، مجھ کو گدھا اُس نے کہا

مردہ ضمیروں کو کہاں کہتا تھا زندہ باد وہ
زورآوروں نے جب دبایا ٹینٹوا، اُس نے کہا

ایسی لچک ایسی مٹک آئی نظر اُس کو ظفرؔ
اِک لیڈرِ قومی کو بھی خواجہ سرا اُس نے کہا

پندرہ دِنوں بعد

بیوی نے میکے سے کہا یہ فون پر
"مجھ کو تو لے ڈوبی جدائی آپ کی
سب کہتے ہیں پندرہ دِنوں میں سوکھ کر
پہلے سے تقریباً میں آدھی رہ گئی
بہتر ہے کہ لے جائیے اب آن کے
تیار ہو جاؤں گی میں، بتلائیے
لینے کو آنا ہے مجھے کب آپ نے"
شوہر نے اِک پل میں کیا سارا حساب
اور پھر دیا جھٹ پٹ یہ بیوی کو جواب
"پندرہ دِنوں کے بعد لینے آؤں گا"

لوگ اگر شہروں کو جنگل کر دیں گے
ہم بھی پھر جنگل میں منگل کر دیں گے

کب تک ویٹ کرائیں گے یہ لیلیٰ وال
حضرتِ مجنوں کو انکل کر دیں گے

طاقت کا سرچشمہ اِن کے ٹھینگے پر
جو چاہیں گے کرنل جنرل کر دیں گے

نچلے بیٹھ رہیں دو مرغے، ناممکن!
برپا یونہی شغل میں دنگل کر دیں گے

پھنے خان کی فوں فاں رہ نہ پائے گی
یہ جو ہیں حالات، یہ کھوچل کر دیں گے

انبوہِ عالم میں کھو نہ پائے گا
حُسنِ گریزاں! ہم تو "گوگل" کر دیں گے

بننے کو بقراط کا پوتا بنتا رہ!
پاگل کرنے والے پاگل کر دیں گے

بعض حسینوں کی کسرت سے لگتا ہے
خود کو وہ "اِسٹرنگ کی بوتل" کر دیں گے

شیریں بن جائیں گے، چاہے شوگر ہو
غزلوں کے ہر لفظ کو چنچل کر دیں گے

ایک رُباعی
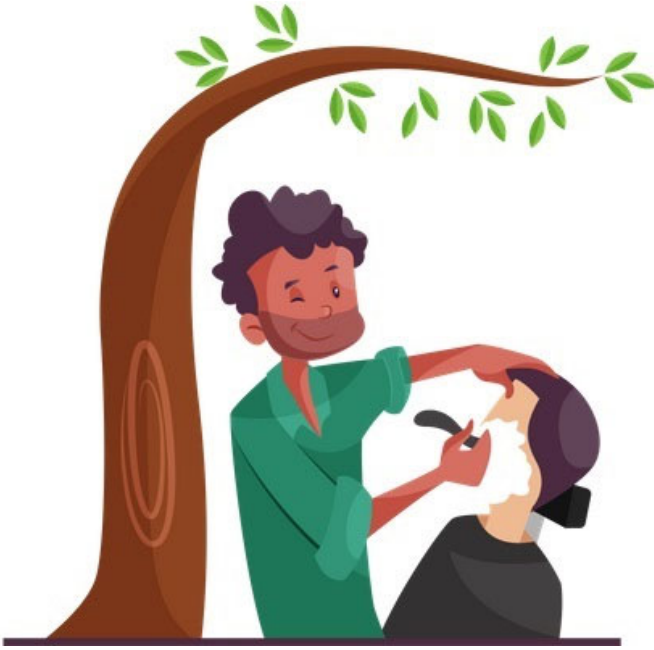
مجھ کو بھی حجامت میں بہت آتی ہے چس
اور قوم کی چندیا پہ نکالے تُو ہوس
دونوں ہی حجامت میں ہیں یکتا گویا
میں نائی، تُو لیڈر رہے، یہی فرق ہے بس

کرو نہ بزم کو منہ ایسے پھاڑ کر سبوتاژ
بہت سے لوگوں کا ہونے لگا کلر سبوتاژ

کسی رقیب کے کتے کی دشمنی دیکھو!
تمہاری یاد کو کرتا ہے رات بھر سبوتاژ

دِلوں کا رن ہے، کوئی خالہ جی کا گھر تو نہیں
کمانڈو جذبے کریں ہر اگر مگر سبوتاژ

کبھی کبھی تو یوں شورش بپا ہوں خراٹے
کہ نشریات سے ہوتا ہے گھر کا گھر سبوتاژ

سبھی کا زعمِ مسیحائی ہے دھرے کا دھرا
مریضِ غم نے کیئے کتنے چارہ گر سبوتاژ

کوئی مریخ سے حملے کیا نہیں کرتا
کہ اپنے ہاتھوں ہوا کرتا ہے بشر سبوتاژ

گلی گلی میں نشہ ہائی جیک کرتا ہے
کئی جہاز پڑے ہیں اِدھر اُدھر سبوتاژ

اُٹھے ہے حلوے پہ کیا کیا نگاہِ مولانا
کیا ہے آپ کی شوگر نے ماحضر سبوتاژ

کبھی کیانی کے سر پر سوار ہے مقطع
کبھی نویدؔ ہے تھلے، کبھی ظفرؔ سبوتاژ

دِل تو پاگل ہے

زید بولا یہ بکر سے "ہائے!
دِل مچل اُٹھا ہے میرا پھر سے
یہ جو ہے حسنِ جواں، شعلہ بدن
اِس کے پہلو میں مری شام کٹے"

رشک سے بولا بکر "کیا کہنے!
مجھ کو لگتے ہو نصیبوں والے
اِس کا مطلب ہے کہ تم پہلے بھی
اِس کی صحبت میں سمے کاٹ چکے"

زید بولا "نہیں، ایسا تو نہیں
میرا بخت اِتنا بھی اچھا تو نہیں
ہاں مگر یہ ہے کہ پہلے بھی کبھی
میرا دِل مچلا تھا بالکل یونہی"
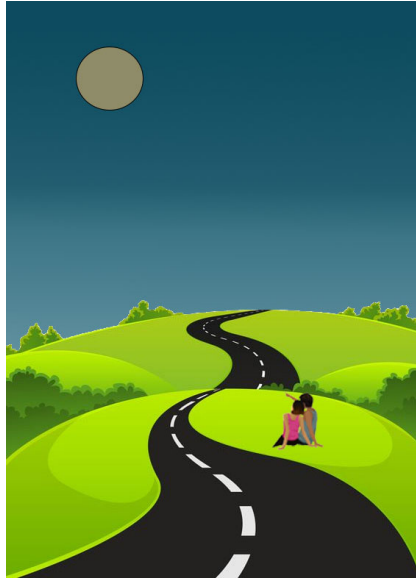
آ کے گلی میں آن بسا ہے کر کے سگائی دور دراز
جس کی خاطر پھرا ہوں میں کرنے کو کمائی دور دراز

جل ککڑی کی جلن کے شعلے جا پہنچے ہیں گلی گلی
تیری میری قربت نے تو آگ لگائی دور دراز

کار و مآل کا بندوبست نہیں ہے گویا خاطر خواہ
آپ ہیں بیگم کے پہلو میں اور ہے دائی دور دراز

ڈیزل اور پٹرول کی قیمت خاک پینپنے دے گی عشق
آپ نے بھی کیا سوچ کے آخر آنکھ لڑائی دور دَراز

دیسی جاب نے تو مدت سے ہاتھ کھڑے کر رکھے ہیں
حسبِ گرانی پاؤ گے جب ہو گی کمائی دور دراز

وقت نے مجھ پر کھینچ دیا ہے کیری کیچر سا کیسا
عمر نے بال اڑا ڈالے ہیں ٹنڈ در آئی دور دراز

زلفیں بودے یوں آزاد ہوئے ہیں صاحب زادوں کے
جیسے اب کے چلے گئے ہوں سارے نائی دور دراز

ٹک ٹا کر کے گردونواح میں حکمت کم کم پھٹکی ہے
اپنی ہر بکواس تو اس نے جا پہنچائی دور دراز

وہ تو اس کے محلے میں آ پہنچی اس سے بھی پہلے
اپنے تئیں وہ چھوڑ کے آیا تھا رسوائی دور دراز

گاڑی سے اترا ہے لے کر ڈگری بھی اور دلہن بھی
جانے والا آ تو گیا ہے کر کے پڑھائی دور دراز

اغل بغل سب منکر ٹھہرے شعر و سخن کی عظمت کے
بسکہ ڈال کے آ جاتا ہوں کارروائی دور دراز

یوں تو شکایت ضعفِ نظر کی اچھی خاصی ہے کیانی
تاڑو بن جاؤں تو جا پہنچے بینائی دور دراز

مآلِ کار

(ترائیلے)

آخر ایک کپتّی رن کے بیلن تیرے بخت بنے
دیکھا، تیرے ٹھرکی پن نے آخر کام تمام کیا
گھر والی چبوانے لگی ہے روز تجھے لوہے کے چنے
آخر ایک کپتّی رن کے بیلن تیرے بخت بنے
بیدردی سے جس نے کھینچے روز ہی تیرے بال گھنے
اُس خاتون نے دو برسوں میں تجھ کو نون سے لام کیا
آخر ایک کپتّی رن کے بیلن تیرے بخت بنے
دیکھا، تیرے ٹھرکی پن نے آخر کام تمام کیا

جانے نہ ہیر مجنوں میاں کی اداسیاں
سمجھے گی کیا کبوتری کاں کی اداسیاں

عشاقِ نامراد ہیں اپنی قسم کے سیٹھ
کرلیں ذخیرہ سارے جہاں کی اداسیاں

ملتے ہیں ہاتھ حسنِ تروتازہ دیکھ کر
سب پرعیاں ہیں پیرِ مغان کی اداسیاں

اِک دانہ ساری دیگ کا احوال کھول دے
محسوس کر یکے ازبتاں کی اداسیاں

اِن کے لئے ہے تنگ دل وجاں کا یہ سٹور
تولے کے آگیا ہے کہاں کی اداسیاں

بیوی نے تلملا کے کہا ہم کو بارہا
چھائی ہوئی ہیں کون سی ماں کی اداسیاں

یوں سر پہ پاؤں دھر کے تو نہ بھاگنا پڑے
رہگیر جو سمجھ لے سگاں کی اداسیاں

اِک بدنصیب کہہ گیا بیگم کے سامنے
تکلیف دے رہی ہیں فلاں کی اداسیاں

بزمِ سخن دخانِ تمباکو میں گم ہوئی
انجوائے کیجے اہلِ بیاں کی اداسیاں

غلطی

اِک یار دوسرے سے یہ کہنے لگا، "سنو!
اِس سال برتھ ڈے میں مناؤں گا شاندار
اِس بار میں نے بکرا ذبح کرنا ہے ضرور"

کہنے لگا یہ دوسرا "کچھ تو حیا کرو
کرنے لگے ہو بے وجہ بکرے کو کیوں نثار
غلطی ہو والدین کی، بکرے کا کیا قصور"

ایک رُباعی
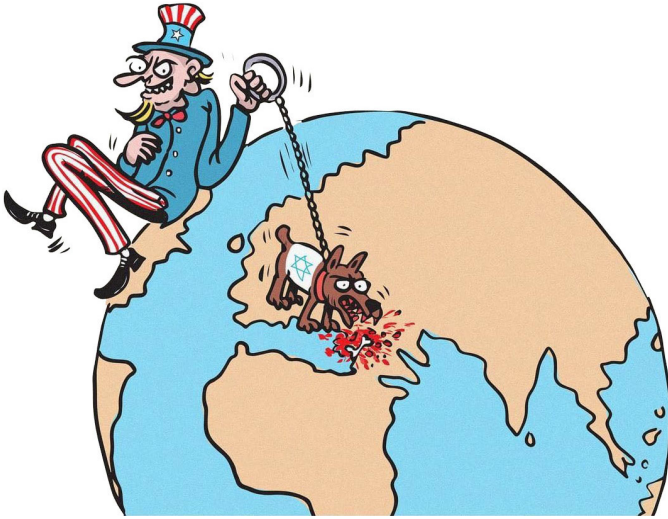
دنیا کو اگر کاٹنے دوڑا ہے یہ
تو دیکھئے کہ کس کا اشارہ ہے یہ
صیہونی کے بارے میں سبھی جانتے ہیں
امریکہ کا پالا ہوا کتا ہے یہ

یہ عاشقی کوئی فوری شباب مانگتی ہے
سفید چونڈے کو زیرِ خضاب مانگتی ہے

تمام اہلِ زمانہ سے جوتیاں کھا کر
گناہگار محبت ثواب مانگتی ہے

ہماری زوجہ سی ہے یہ حکومتِ دوراں
سوال سنتی نہیں ہے، جواب مانگتی ہے

یہ جان کر بھی کہ عجلت ہے کارِ ابلیسی
جواب مانگتی ہے اور شتاب مانگتی ہے

کسی کو شوق ہے بڑی تلاش کرنے کا
پلاؤ لے چکی، اب وہ کباب مانگتی ہے

خدا نے بخشی ہے آواز جھینگروں جیسی
سرود کے لئے چنگ و رباب مانگتی ہے

اب ایسی پودِ کہن کا مذاق کیوں نہ اُڑے
جو دورِ نو کی کُڑی سے حجاب مانگتی ہے

سجا بھی سکتی ہے جا کر کسی کے کالر پر
جو اپنے جُوڑے کی خاطر گلاب مانگتی ہے

تم اُس کو عشق کا الجبرا نہ پڑھاؤ ظفرؔ
حیات سے کوئی آساں سی جاب مانگتی ہے

وہ

کب سے بیٹھی ہے جو لبھا کے مجھے
اُس کے بارے میں گومگو میں ہوں
دیکھتی ہے وہ مسکرا کے مجھے
یا تمسخر ہے اُس کے دیدوں میں
مسکراتی ہے دیکھ کر مجھ کو

بن ٹھن کے وہ آئی ہے سو دید ضروری ہے
کن انکھیوں سے ہی لیکن تائید ضروری ہے

اُس شوخ کے کوچے میں ڈُھل جانے کو آیا تھا
شامت نے بتایا تھا ناہید ضروری ہے

بگڑے ہیں جو ازلوں سے خود سے تو نہ سمجھیں گے
تنقید ضروری تھی تنقید ضروری ہے

لیڈر رہو تو پبلک میں تم مار لو ہر بونگی
ہاں بعد ازاں اس کی تردید ضروری ہے

وہ بات جو کرنی ہے کر پائے نہ کر پائے
چاہے کوئی بھر پائے تمہید ضروری ہے

عورت کو سمجھنا بھی آسان نہیں کوئی
اِس کے لئے ادراکِ تجرید ضروری ہے

کھلیان اجڑ جائیں، بزنس بھی بگڑ جائیں
ہر سال مگر گھر میں تولید ضروری ہے

جو قومی خزانے کو بھر لیتے ہیں توندوں میں
اُن کی بھی چناؤ میں تطرید ضروری ہے

اے دیدۂ قاتل تو کھل کھیل نہ ایسے بھی
لیسینس اگر ہے تو تجدید ضروری ہے

روزے نہ سہی لیکن افطاریاں تو کی ہیں
رمضان یونہی گزرا پر عید ضروری ہے

کس لیڈرِ قومی نے کی سانس مری سوکھی
مایوس بھی ہونے کو امید ضروری ہے

کج رائی مسافر کی نقصان اٹھاتی ہے
جو ناک بتاتی ہے وہ سیدھ ضروری ہے

شادی

تُو عشق سے کر منیج شادی
یا کر لے کوئی ارینج شادی
بنے گی محبوبہ تیری قسمت

جو پہلی صورت میں عقد ہو گا
ملے گی محبوبہ تجھ کو اپنی
جو دوسری شکل میں کرے گا
ملے گی محبوبہ دوسروں کی
بتا دے کیا دینی ہے بشارت
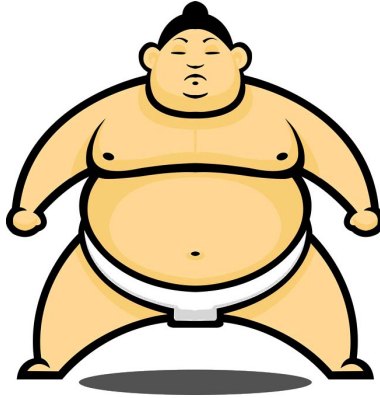
ہم ترا عشقِ گراں مایہ لئے پھرتے ہیں
کس لئے تجھ کو ترے تایا لئے پھرتے ہیں

چار سو بیسی میں کر لیں یدِ طولیٰ پیدا
بہرِ بزنس یونہی سرمایہ لئے پھرتے ہیں

ہر کسی کو ہے یہاں پر کوئی خطرہ جیسے
اپنے ہمراہ سبھی سایہ لئے پھرتے ہیں

ایک ہم ہیں کہ پہلوانوں سے پٹتے ہیں عبث
لوگ دشمن بھی تو ہم پایہ لئے پھرتے ہیں

اب کسی حُسن کی خاطر نہیں پنگا لینا
اُس نے ٹی ٹی کا بھی بتلایا، لئے پھرتے ہیں

کوئی "آیا" میرے بچوں کو لئے پھرتی ہے
یا مرے بچے کوئی "آیا" لئے پھرتے ہیں

سادگی کے سبھی بھاشن تو ہیں اوروں کے لئے
ہاتھ کا میل سہی مایا، لئے پھرتے ہیں

ہم سے راجوں کو تو ملتی نہیں رانی کوئی
اور گورائی کو گورایہ لئے پھرتے ہیں

اپنی آوارہ نگاہی کا ہے جاسوس یہی
ہر طرف دیدۂ ہمسایہ لئے پھرتے ہیں

جو گلے پڑنا ہے اُس پھڈے میں ہے ٹانگ ظفرؔ
جو پلٹ جانی ہے وہ کایا لئے پھرتے ہیں

سفارشی

(ترائیلے)

ٹیم میں ہے تو صبر فرمائیں
اِک سفارش کا "فیضِ جاری" ہے
اِس کے اسٹیمنے پر نہ جائیں
ٹیم میں ہے تو صبر فرمائیں
میچ میں نہ زیادہ دوڑائیں
جسم ہلکا ہے پاؤں بھاری ہے
ٹیم میں ہے تو صبر فرمائیں
اِک سفارش کا "فیضِ جاری" ہے

کر کے آئیں بائیں شائیں آئینے کے سامنے
انقلاب آئے تو لائیں آئینے کے سامنے

جو اِسی دنیا میں رہ کر اس کو کہتے ہیں برُا
خود کو ہی وہ منہ چڑائیں آئینے کے سامنے

شوقِ سیلفی کا نتیجہ مل گیا ہے آخرش
آ گئیں دو دو بلائیں آئینے کے سامنے

سچ کے کتنے ہی ''نظر وٹو'' نظر آجائیں گے
آئینے کے دائیں بائیں، آئینے کے سامنے

''منہ نہ متھا، جن پہاڑوں لتھا'' آتا ہے نظر
کس طرح فلٹر لگائیں آئینے کے سامنے

کوئی منتر موم کر پایا نہ اِس کو آج تک
آپ بے شک دُم ہلائیں آئینے کے سامنے

جو تماشا چاہیں کریں ماورائے آئینہ
شُرلی کو بم نہ بنائیں آئینے کے سامنے

لیکنوں کی مصلحت نہ but کا lie ہے بجا
سچ سنیں اور سچ سنائیں آئینے کے سامنے

آپ کو خود پر اگر ہنسا نہیں آیا ظفرؔ
منہ اٹھا کر یوں نہ آئیں آئینے کے سامنے

چند مزاحیکو

کوئی تو دھندہ کر
دِن میں تارے دِکھتے ہیں
پیٹ کی سولی پر

بھید نہ دے اُس کو
جس کے دو کانوں کے بیچ
سب کچھ خالی ہو

مت چیخو دِن رات
سُننا ہو تو سُن لیں گے
گونگوں کی بھی بات

قوم بھی چاہے تو
لیڈر ہو گا ٹھینگے پر
بوٹ نہ چاٹے تو

بِن سوچے ہیں واری
اُس کے گورے مکھڑے پر
تِل ہے یا ہے مکھی

رانگ ہی نمبر تھا
اُس کی کال نہ آ پائی
جس کا ویٹ رہا

ہر آنکھوں کا چین
لوٹا کہئیے یا اُس کو
تھالی کا بینگن

یوں تو ہاتھ نہ آئے
ملتا ہے کیا مسکا کر
کام جو پڑ جائے

ایم این اے ہے وہ
پینتالیس کے فارم میں تھا
سب سے پیچھے جو

بھر پایا نہ پیٹ
چور چراتے پھرتے ہیں
قوم کا مینڈیٹ

ہیں خبطی کچھ کچھ
"مسٹر بین" سے لگتے ہیں
"پی ایم" بھی کچھ کچھ

رائٹ ہے یا رانگ
مرغے کا ہے کام یہی
دے گا وہ تو بانگ

پارک سے چلتے ہیں
دیکھے جا سکتے ہیں ہم
نیٹ پر ملتے ہیں

آپ سے کم کم ہیں
آپ سیاست میں آئے
تاکہ میمز بنیں

اُن سے مت الجھو
ایف بی آر میں ہوتے ہیں
کٹے لیں گے چو

وِیر ترے ٹکرے
ایسے مجھ کو پینچ دیا
جیسے رو نکلے

تو بھی چڑھالے چن
پڑھ کر نوچوں اپنے بال
یوں تجریدی بن

ذوقِ جمعدار!
نظم کے کوڑے دان میں ہیں
لفظوں کے طومار
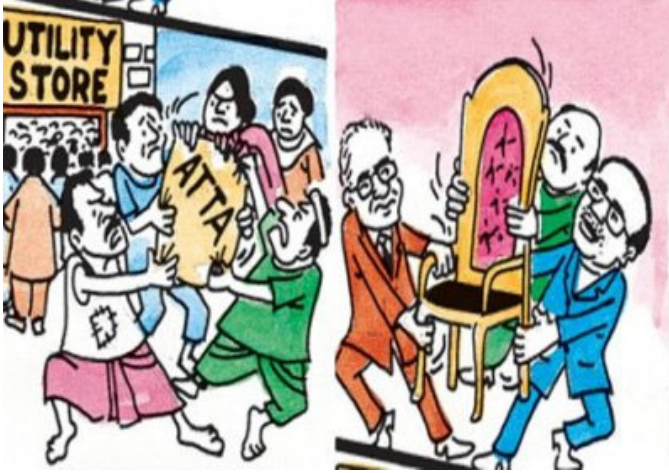
فون پر اُس سے گفتگو ہے وہی
ایسا لگتا ہے دوبدو ہے وہی

شفٹ بدلی ہے اہلِ پالش کی
وردی والا وہی ہے، shoe ہے وہی

دانت منہ میں نہ آنت پیٹ میں ہے
دعوئ جوششِ لہو ہے وہی

کاٹ کر ہو جسے رفو چکر
جیب ناقابل رفو ہے وہی

دورِ منصوبہ بندی ہے ورنہ
گیتیٔ قوم میں نمو ہے وہی

اُس کی یادوں سے بچ کے جاؤں کہاں
رشکِ کورونا چار سو ہے وہی

من کی پوچھیں تو مکھی کی "مُنڈی"
تن کو دیکھیں تو ون میں ٹو ہے وہی

جنوری روکش دسمبر ہے
چشم و بینی میں آبجو ہے وہی

مثلِ عبرت ہیں یوں تو شادی شدہ
میری شامت کہ جستجو ہے وہی

آن ٹپکا جو میں نے یاد کیا
رشکِ ابلیس روبرو ہے وہی

کینگرو پر نظر پڑی جو مری
تجھ کو دیکھوں کہ ہو بہو ہے وہی

میری تنقید پر ہے چین بہ جبیں
کیوں نہ ہو تیرا پالتو ہے وہی

(جناب احمد فرازؔ کی کی ایک غزل کی پیروڈی)

ہر مرغ کباب ہو چکا ہے
اور زینتِ قاب ہو چکا ہے

اب توندوں میں جا چکا ہے قرضہ
ہم تم پہ سراب ہو چکا ہے

اب ترکِ وفا کا وقت آیا
ٹھینگے میں جواب ہو چکا ہے

اب اور کوئی علاج ڈھونڈو
ہر کشتہ عذاب ہو چکا ہے

اُس دور میں جاب لیس ہوں جس میں
ڈھاٹے میں جناب ہو چکا ہے

بھوک میں لگتا ہے سب کو سب لذیذ
روکھی سوکھی بھی لگے گی تب لذیذ

کس نظر کی آگ تھی، سب جل گیا
خواب کی ہنڈیا دھری تھی شب لذیذ

خوگرِ ماحولِ آلودہ ہوئے
خاک بھی لگنے لگی ہے اب لذیذ

ذکر کیسی باہمی باتوں کا ہے
ہو گئے بدذائقہ وہ لب لذیذ

حسن کیا چاہیں سرِخوانِ ادا
تیری باتیں ہیں نہ تیرے ڈھب لذیذ

--ق--
سائیں کی سرکار سے جو کچھ ملے
ہم مریدوں کے لئے ہے سب لذیذ

گالیوں کے بعد تو ہو گا کرم
کچھ عطا کر دیں گے زیرِلب لذیذ

نفس کا حلوا بنائیں اِس سے وہ
مولوی کو لگتا ہے مذہب لذیذ

اُس کا نافرمان بھی تیار ہے
من وسلویٰ دے گا میرا رب لذیذ

جھڑکیوں کے واسطے گھرکیوں گھسیں
جن کو شب مل جانا ہے کچھ پپ لذیذ

ہر کریلا بولے گا کڑوا ظفرؔ
چاہے دے دو آم دو اِک ٹب لذیذ
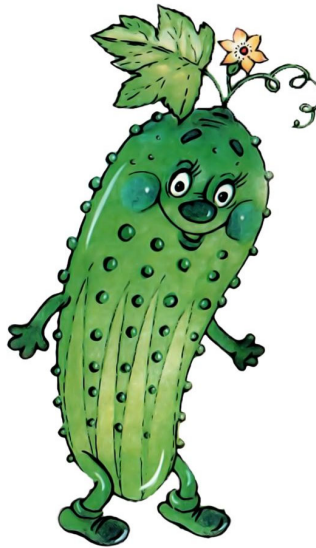
مسکراہٹ؟

(نظمِ معین)

تمہارا چہرہ
ہمیشہ سے مسکراتا پایا
تو تم کو سمجھا ہے ایک ہنس مکھ سا بندہ سب نے
تمہارے ہم منصبوں سے پوچھا تو سب کو پایا ہے تم سے نالاں
کھلا کہ یونہی کھلی سی رکھی ہیں بانچھیں رب نے
کہ ڈھانچے سے اس طرح بنایا
تمہارا چہرہ

جو جینز میں ہو، ایسا جھنجھٹ کہاں سے لائے
پردہ ہی نہ کرے تو گھونگھٹ کہاں سے لائے

مِلّت حیاتِ نو کی بنیاد خاک رکھے
بجری کہاں پہ ڈھونڈے، سیمنٹ کہاں سے لائے

مٹیاریں جینز میں ہیں لونڈوں کے ڈِھنگے ڈھب ہیں
پہلے سے گاؤں کب ہیں، پنگھٹ کہاں سے لائے

ق

بے فیضا ہے سو ایسے کاٹے اکڑ بکڑ کے
جو لطفِ زندگی لے وہ جٹ کہاں سے لائے

گاڑی سے نکلے کیسے، پانی میں دوڑے کیسے
بچہ ہمارے دِل سا نٹ کھٹ کہاں سے لائے

نیناں ہیں اُن کے قاتل، پھڑکائے سینکڑوں دِل
وہ ایسے اسلحے کے پرمٹ کہاں سے لائے

خبط الحواس سے ہیں ہر دم ہیں گو مگو میں
لیکن وہ اِتنے لیکن اور بٹ کہاں سے لائے

وہ مصلحت کا شیرہ رکھے سخن میں دن بھر
جو دل میں ہے جبیں پر سلوٹ کہاں سے لائے

ہر بے ایمان لیڈر، اِس تاک میں ہی دیکھا
سب چینلوں پہ اپنے پیرٹ کہاں سے لائے

زردار بھی ہو کافی اور فوت بھی ہو جلدی
وہ لڑکی اتنا بڈھا کھوسٹ کہاں سے لائے

پیسے نہیں تو فدوی بٹوے میں "امب" رکھے؟
پلے نہیں ہے ٹکھ بھی پاکٹ کہاں سے لائے

حالات کا شتر تو من موجی سا ہے یارو!
جو اپنی سمت ہو وہ کروٹ کہاں سے لائے

سچّوں کو ڈھونڈتی ہے، بیکار گھومتی ہے
جیسا ظفرؔ ہے، ویسا منہ پھٹ کہاں سے لائے

فلم "مادرِوطن" کے لئے لکھے گئے
جناب سیف الدین سیف ؔمرحوم کے گانے کی پیروڈی
(چل ہٹ ری ہوا گھونگھٹ نہ اُٹھا۔۔۔)

چل ہٹ ری صبا، بیلنس نہ منگا
میری شکی بیوی تاڑ لے گی

میں کیسے بسا تیرے دھیان میں
ہر کال غڑپ اِس تان میں
دِکھلا کے ادا، پاکٹ نہ اُڑا
میری شکی بیوی تاڑ لے گی

نہ کر یوں جادو پیار کے
پھوٹیں گے لڈو پیار کے
چل چل جا جا مجھ کو نہ پٹا
میری شکی بیوی تاڑ لے گی

جو دیکھے گی فون اُٹھا کے وہ
مارے گی سوٹی گھما کے وہ
نہیں تجھ کو پتہ کیسی ہے بلا
میری شکی بیوی تاڑ لے گی

ایک رُباعی

جو صاحب زر ٹھہرا، وہ شے ہے بخرا
سب دنیا اٹھاتی ہے اُسی کا نخرہ
لیکن خطِ افلاس سے جو نیچے ہیں
سمجھو کہ وہ سارے ہیں سراسر کچرہ

کیسا دشمن پایا
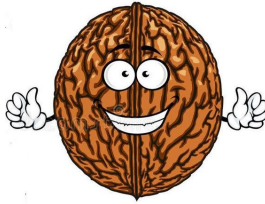
جس کو اپنا سمجھا، جان بنایا ہم نے
اپنے رستے کی دیوار ہی پایا ہم نے
خود کو خاصی مشکل سے سمجھایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

ہم تو اُس کے سدا سے خیر اندیش رہے ہیں
اِس کے لئے خود بھوکے کم و بیش رہے ہیں
گویا اپنا رتبہ آپ گھٹایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

اِس کی نخوت نے محرومِ سا کھ کیا ہے
دِل کا سارا گلشن ساڑ کے راکھ کیا ہے
بہ آمرِ مجبوری سینگ لڑایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

گھر کی لونڈی جانے ہر قانون کو ظالم
اپنا آپ وجد سمجھے فرعون کو ظالم
اپنا ماتھا پتھر سے ٹکرایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

پیشِ نظر ہے ڈیوائڈ و رُول کا ماٹو
قوم کو ایک نہ ہونے دے کا کول کا ماٹو
ستر برسوں میں کیا خوب کمایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

جو حقِ مسنون کی بات کرے وہ غائب
آئین و قانون کی بات کرے تو غائب
اپنے حق کو اپنا آپ گنوایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

کام یہی ہے، اس کو تن دو اس کو چک لو
قوم کی خدمت اِسی میں ہے اس قوم سے مک لو
دام لگا کر ظلم یہ خود پر ڈھایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

سینے نکلا جو ہر دیدے کو ہر لب کو
ایسا نامعلوم ہے جو معلوم ہے سب کو
پایا جبر و جفا اس کا سرمایہ ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

رَن میں آ کر ہم پر وار نہیں کر سکتا
سامنے آ کے آنکھیں چار نہیں کر سکتا
یہ کیسے بھتنے سے جوڑ ملایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

راکھا بن کر کملا کرنے والا دشمن
کھسرا بن کر حملہ کرنے والا دشمن
ناداں تھے کہ جانا تھا ہم پایہ ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

ساری قوم کو اپنے آگے کچھ نہ سمجھا
مادرِ ملت کو بھی شودر جان کے اُلجھا
کیسے اِس کو سمجھا تھا ماں جایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

جس انڈیا کو ازل سے جانا کہ دشمن ہے
وہ ہم سب کی کج فہمی پر خندہ زن ہے
جا کر جگ میں اپنا جوک بنایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

سیلِ بلا بن کر نکلیں گے، اِن شاء اللہ
اِن سے اپنا حق چھینیں گے اِن شاء اللہ
اِک نہ اِک دِن پلٹانی ہے کایا ہم نے
کیسا دشمن پایا ہم نے

ہرنم کو چاٹتے ہیں، ہرتن کے سب منافذ
باچھوں کو وا کیئے ہیں، ہرتن کے سب منافذ

باہر کی جو خبر ہو، جا کر بتائے اِس کو
مخبر دماغ کے ہیں، ہرتن کے سب منافذ

اُس شوخ کے لئے پھر تاڑ و ہیں سب بظاہر
آنکھوں سے بھر گئے ہیں، ہرتن کے سب منافذ

اوروں کے حصے کے بھی کھاپوں کو جذب کرنے
سوئے شکم چلے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

ہر شے ہڑپنا چاہیں، سب ''شوشڑ پنا'' چاہیں
لگتا ہے، باؤلے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

کیا شیر ہے حکومت، دھرنوں سے کھائے دہشت
کیسے لرز اُٹھے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

دیکھا ہے نیب میں کیا عمران خاں کو بیٹھا
کیوں رونگٹوں کھڑے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

اِک سال سے ہے زیرِ تعمیر یہ سڑک بھی
سو گرد سے اَٹے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

بزمِ سخن میں جب بھی گرمِ سخن ہو کیانی
تا گوش بند ہوئے ہیں، ہر تن کے سب منافذ

خوشی

(ترائیلے)

کیا بتاؤں خوشی جو پاتی ہوں
دیتی ہوں جب فقیر کو کھانا
خود پکاتی ہوں اور کھلاتی ہوں
کیا بتاؤں خوشی جو پاتی ہوں
تجھ سا نخرہ کہاں اُٹھاتی ہوں
جو ملے سو لپیٹے روزانہ
کیا بتاؤں خوشی جو پاتی ہوں
دیتی ہوں جب فقیر کو کھانا

کیوں ہے بدنامِ عام دخترِ رز
یہ دوائے زکام دخترِ رز

ٹوٹتا ہی نہیں نشہ اس کا
مجھ کو لگتا ہے آم دخترِ رز

جب ہیں انگور بھائی جان حلال
کس طرح ہے حرام دخترِ رز

ہائے کتنوں کی بن گئی شامت
کر لیا ہے غلام دخترِ رز

کتنی ایف آئی آر میں ہو گی
ایک تیرا ہی نام دخترِ رز

کتنے ساقی بنا دئے تو نے
میکدے کے امام دخترِ رز

کتنے رندوں کو کر دیا الٹا
کتنے الٹے ہیں کام دخترِ رز

کتنے پیگوں کا ہے یہاں سے سفر
جانا ہے ٹنڈو جام دخترِ رز

اپنی غزلوں میں ہم بہاتے ہیں
تجھ سے بھر بھر کے جام دخترِ رز

(جناب محمد اظہار الحق کی کی ایک غزل کی پیروڈی)

عوام پر انحصار اُس نے نہیں کیا تھا
کہ ووٹ کا اعتبار اُس نے نہیں کیا تھا

سفید ریش بزرگی تو اُس کے چہرے پر تھی
پہ مانعِ کاروبار اُس نے نہیں کیا تھا

یوں گیسٹک بیقراریاں پیٹ میں بہت تھیں
مگر اُنہیں بھی ڈکار اُس نے نہیں کیا تھا

کہیں سے یکلخت آ کے اُس کو اڑنگی دے گا
وہ شخص کہ جس کو یار اُس نے نہیں کیا تھا

عدالتوں میں گھسیٹ تو لے مگر یہ سُن لے
گناہ تو شاندار اُس نے نہیں کیا تھا

دِکھائی دینے لگا ہے بُلڈ اگ اُس کو سارا
ابھی تر اگیٹ پار اُس نے نہیں کیا تھا

ملی جو ویگن تو جھٹ سے جا کر لٹک گیا وہ
کسی کا پھر انتظار اُس نے نہیں کیا تھا

یوں ہمارے سچ پہ وہ ہو جائے تلخ
جس طرح کوئی کریلا کھائے تلخ

منہ بناتے ہو مآلِ عقد پر
کچھ تو شیرینی میں ہیں اجزائے تلخ

ہم نے تو بولا تھا "لو یُو ڈارلنگ!"
ڈونٹ نو، وٹس رونگ اِن اِٹ، وائے تلخ؟

جام کی بوتل میں آبِ نیم ہے
شیریں پیرائے میں ہے اخفائے تلخ

ٹاک شو کیوں نہ بنے میدانِ جنگ
ہر چغد نے ہی سخن فرمائے تلخ

اب کسی کی ضد کا ہے تابع فہیم
ہائے اب تو گڑ بھی سمجھا جائے تلخ

بس غزل کی چڑھ گئی سسرال پر
بسکہ مصرعے شاعری میں آئے تلخ

دم پہ تو پاؤں نہیں رکھا ہوا
کاہے کو ہوتا ہے آخر guy تلخ

گویا دو تہذیبیں ٹکرائیں ظفرؔ
بلبلوں سے لڑ پڑی مینائے تلخ

حافظہ

(سانیٹ)
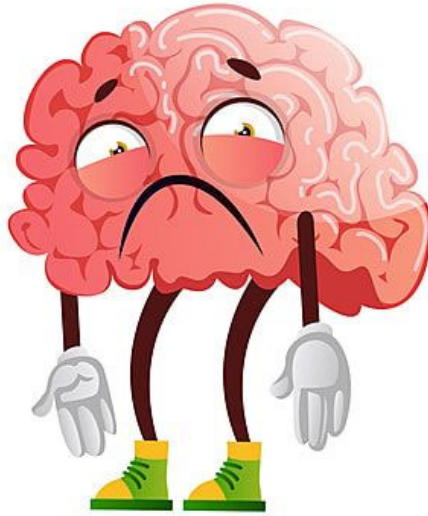
عمر اسفنج ہے جس میں آ کر
حافظہ نچڑا ہوا ہے سارا
اور سچ پوچھیں تو میں بیچارا
بن گیا ہوں پروفیسر یکسر

اپنی آسانی کی خاطر یوں تو
نوٹ کر لیتا ہوں جو کرنا ہے
جو بھی کارِ تنگ و دو کرنا ہے
اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔۔گو

ایسے کھولا نیا کٹا میں نے
کہ ہمیشہ اِسی الجھن میں رہا
جو پیئے یاد دھانی لکھا
لکھ کے کیوں کاٹ دیا تھا میں نے

بولئے بولئے سب کیا کروں میں؟
کچھ تو بتلائیے اب کیا کروں میں

وہ روس تھا
داؤس تھا

سگ چور سے
مانوس تھا

تُو گفٹ کہہ
وہ گھوس تھا

اُلو کبھی
طاؤس تھا

پیکر کوئی
جاموس تھا

lion بنا
mouse تھا

تن کیک تھا
دِل جوس تھا

گھر سسروں کو
مخصوص تھا

ہر شعر اِک
قاموس تھا

تو پھر؟

(ترائیلے)

مری بینائی پر انگلی اُٹھائے
وہ کہتا ہے، تجھے دِکھتا ہے کم کم
بجا فرمائے وہ یا بھد اُڑائے
مری بینائی پر انگلی اُٹھائے
مگر چشمہ لگاتا ہوں تو ہائے
دِکھائی دیتا ہے مجّو وہ پیہم
مری بینائی پر انگلی اُٹھائے
وہ کہتا ہے، تجھے دِکھتا ہے کم کم

بُو تھے پہ ڈھاٹا عام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے
خود کو بھلے زکام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

کب تک لگائے رکھے گا آگے ہم آپ کو
اب داند کو لگام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

سیلاب میں ریلیف ملے نہ ملے مگر
سیلفی کا اہتمام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

یہ عین لام میم اکیلا تو کچھ نہیں
جو عین میم لام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

ایوان واش روم سے لگنے لگیں ہمیں
لوٹوں کا احترام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

ہر قرض خواہ ادارہ ہے محبوبِ نخرہ باز
یہ بُت کبھی تو رام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

باتوں میں چاہے زہر کریلا ہو مہرباں
نیّت کا شیریں آم ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

منصف کو لوگ دِل میں فٹے منہ تو نہ کہیں
انصاف کا نظام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

امریکہ میں بھی اِس کی پریکٹس کا فیض ہو
رجیم چینج عام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

جیسے کباب و جام چلا کرتے تھے کبھی
ویسے بریڈ ہو، جام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

کلیات لے کے آئے ہوں شاعر پئے سزا
قیدی ہوں اور کلام ہو، لوگوں کو سُکھ ملے

ایک رُباعی

ہر دور سے لے بیٹھا گداہی پیشہ
پیشوں میں معزز ہے مرا ہی پیشہ
پھرتی ہے حکومت جہاں کشکول لئے
بیگنگ وہاں کیسے نہیں شاہی پیشہ

(جناب منصور آفاقی کی ایک غزل کی پیروڈی)

تُو پہلے کھول لے آنکھیں، ذرا سنبھل چل کے
یوں بن کے داند نہ پودوں کو روند چل چل کے

اکیلا دیکھ کے تالاب کے کنارے پر
دھکیلنے کے لئے آ گئی کنول چل کے

بتا نہ مجھ کو کہ میری ریٹائرمنٹ کا ہے سال
جا اپنی جاب کی عبرت سرا میں ڈھل چل کے

صداؤں سے وہ کمینہ پلٹ نہیں سکتا
جدھر گیا ہے وہاں تو بھی ہاتھ مل چل کے

وہ بیڈ کے نیچے سے نکلے تو تبصرہ کیا ہو
کہ رینگتا ہے کوئی کہنیوں کے بل چل کے

مزاجِ شادی شداں کو یونہی خراب نہ کر
چھڑا ہے، چھانٹ ہے، سو اپنوں میں ہی جل چل کے

محلے بھر کو ہے امید اُس سے تفریح کی
کہ ازدواجی غدر ہیں تماشے ہلچل کے

نرا چول ہے، بدک جاتا ہے، مگر پھر بھی
اُسے سُنا کوئی سو شعروں کی غزل چل کے

ایک رُباعی

خاتون بہُو سے بھی جھگڑ لیتی ہیں
غصے میں پڑوسن کو بھی پڑ لیتی ہیں
اور طیش میں جب سامنے کوئی بھی نہ ہو
آئینے میں پھر خود سے بھی لڑ لیتی ہیں

ایسے لیڈر ہوں تو کیسے قوم کو رستہ ملے
کالے دھن کی لانڈرنگ سے سارے وابستہ ملے

عمر اِس حسرت میں کاٹ آیا سرِ بازارِ زیست
کچھ نظر آجائے جو انسان سے سستا ملے

بے وجہ سا شخص جب جھاڑے یونہی سوکھی تڑی
تو جواباً ایک مُکا اُس کو برجستہ ملے

کورنظروں میں وہ بزدل ہے جو ڈٹ کر ہے کھڑا
اور وہ ہے شیر جو آگے لگے، ''نستا'' ملے

ہائے اب وہ مقتدر بھی دیتا ہے بھاشن کہ جو
''یو ایس ائر پورٹ'' پر پتلون کو کستا ملے

دور سے جب پھینکنا چاہے تو بن جائے سخی
آپ اُس سے پھول چاہیں اور گلدستہ ملے

وہ تو بیچارہ وہیں موقع پہ ہی مر جائے گا
پولیٹیشن سا جو انساں سانپ کو ڈستا ملے

سارا ہی جیون اِسی زنجیر میں جکڑا رہے
ہائے مردِ حُر بھی بعد از عقد پابستہ ملے

اُس غزل کی بیکری میں سب چلیں، جس میں ظفرؔ
ذائقہ اشعار کا شیریں ملے ، خستہ ملے

پروفیسر

پروفیسر بنا
تو زندگی بھر پھر پروفیسر رہا
بندہ نہ ہو پایا
کسی سے بھی علاج اِن کا نہ ہو پایا

تم نے اُس کو اُول جلول کہا تھا نا!
اُس نے بھی پھر تم کو فول کہا تھا نا!

پھول کے سینڈل برسے تو حیرانی کیوں؟
سچ بولا تھا، پھول کو پھول کہا تھا نا!

آگ بگولا ہونے والی بات تھی کیا؟
تم نے تو اُس کو کچھ کول کہا تھا نا!

تو کیا اِن سے پیچ کسے تھے عاشق کے؟
اپنے عشوہ کو اِک ٹول کہا تھا نا!

چور یہاں جب دندنائیں گے انہے وا
ملک میں ہو گا لاء نہ رول، کہا تھا نا!

لاش پہ اُس کا کیس یقیناً بنتا تھا
خود کو قاتل نے مقتول کہا تھا نا!

اِن آنکھوں نے ٹسوے خوب بہائے تھے
دیکھ کے سب نے سوئمنگ پول کہا تھا نا!

آج ہو جن کے پائے سفر میں دھولوں دھول
اُن کو کل رستے کی دھول کہا تھا نا!

اُس نے بزم میں ایسی کی تیسی کر دی
اپنی باتوں کو مدلول کہا تھا نا!

تم کیوں اُس سے ایسے رُس کے بیٹھ رہے
اُس نے کچھ حسبِ معمول کہا تھا نا!

تم کو بھی دیوانہ اپنا جانتے ہیں
لسٹ میں تم بھی ہو مشمول کہا تھا نا!

چوروں کو بھی لیڈر سمجھو اور بھگتو
بدناموں کو بھی مقبول کہا تھا نا!

خود کو غائب غلوں میں اب ڈھونڈ ظفرؔ
نامعقول کو نامعقول کہا تھا نا!

اپنا حلوہ مانڈا

(ترائیلے)

اُن کے ٹھینگے پر مری نانِ جویں
مولوی صاحب کو حلوہ مل گیا
ہو رہا ہے کس سے کیا، پروا نہیں
اُن کے ٹھینگے پر مری نانِ جویں
اب نہیں فرزندوں پر چیں بہ جبیں
چاہ تھی جس کی وہ جلوہ مل گیا
اُن کے ٹھینگے پر مری نانِ جویں
مولوی صاحب کو حلوہ مل گیا
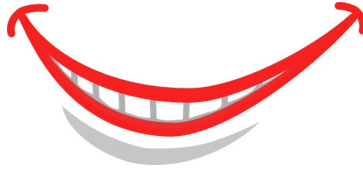
مبصر چینلوں پر بھونکتے ہیں
صحافت میں کتورے بڑھ گئے ہیں

بنا رکھا ہے مجھ کو پی ٹی آئی
بڑے ہی نیوٹرل سسرے ملے ہیں

مرے بیساختہ پن کا صلہ ہے
یہ میرے سر کے جتنے گومڑے ہیں

نہایت کرکرے نکلیں گے لیڈر
یوں کہنے کو تو لوہے کے چنے ہیں

کہاں آیا ہے لے کر سروقامت
جہاں کھڑپینچ ہی بالشتیے ہیں

یہ سوشل میڈیا کی آرمی ہے
یہاں رنگروٹ سب جنرل لگے ہیں

مٹکنا تھا جنہیں محفل میں آ کر
وہ کھسرے کُٹ لگا کر جا رہے ہیں

حسیناؤں کی قسموں پر یقین ہے
کہ اِن پھندوں میں فٹ اپنے گلے ہیں

سمجھتے ہیں ہمیں بھیڑیں ستمگر
جو اہلِ زور و زر ہیں، بھیڑئیے ہیں

شریفوں کے نصیبوں میں ہے ٹھینگا
زمانہ اُن کا ہے جو مافئیے ہیں

ظفرؔ اِس پر بھی خوش فہمی ہے کیسی
سبھی عشاق ٹھینگوں پر دھرے ہیں

کشمکش

آ کر کوئی
جا بھی چکا
پر راز کب
ہم پر کھلا
یہ بحث ہے
اب بھی سوا
وہ آئی تھی
یا آیا تھا

بزمِ سخن میں یوں نہ اُگل آج کی غزل
سن کر بجائیں سارے بغل آج کی غزل

اونگھیں گے میری بار مگر جاگ جائیں گے
جب گنگنائے گی مس غزل، آج کی غزل

ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر ان کا ذکر ہو
بن جائے خود بخود ہی ہزل آج کی غزل

مطلب ہی تجھ سے پوچھنے لگ جائیں نہ چغد
فوراً سنا کے بھاگ نکل، آج کی غزل

بدہضمی کا نتیجہ تھا تیرا کلام کل
میرے دماغ کا ہے خلل آج کی غزل

اگلے زمانوں جیسی ہے کومل کہاں بھلا
ڈالے سماعتوں میں کھٹرل آج کی غزل

طرزِ کلام rock کے battle سی ہو گئی
لگنے لگی ہے صوتِ بگل آج کی غزل

چالیس برسوں قبل کی لکھی ہوئی ہے وہ
کہہ کے سنائے ہم کو چول آج کی غزل

دِیوان لے کے آئے گا، ہم کو سنائے گا
بن جائے نہ پیامِ اجل آج کی غزل

ہر کوئی کہہ رہی ہے اُسی پر کہی گئی
(فرزانہ ناز، روحی، کنول) آج کی غزل

مطلع میں کر رہے ہیں تخلص کا اہتمام
کرتے ہیں پیش کر کے shuffle آج کی غزل

برسا رہے ہیں ڈونگرے کیسے وہ داد کے
میں لکھ کے ہو گیا ہوں پزل آج کی غزل

۔۔۔اور اب کچھ دوہے
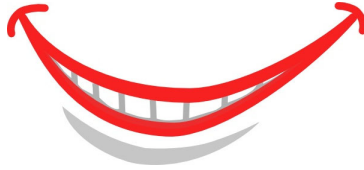
میری ہلتی پونچھ پہ ایویں کڈھ نہ دَند
میری ساری نوکری اے سی آر میں بند

کیسے کہہ دوں زندگی ہو گی اُس کی فائن
جس نے دل کے چیک پہ لیے نہ میرے سائن

”آئی ایسکو“ کا بھی کرے کونڈا یوں سولر
”پی ٹی سی ایل“ کو پڑا جیسے سیلولر

لنگڑی لولی ہمتیں کھو دیں گی کیا کوہ
اُس کی خاطر راستے۔۔۔چل نہ پائے جو

اُس کو بننا ماڈرن وارا کیسے کھائے
جینز میں طرزِ خرام جس کو آ نہ پائے

اُس ظالم نے ہی مرا توڑا اکثر دل
رو رو جو پڑھتا ملے نوحہ مستقل

منہ چھوٹا اور بات بڑی کیسے بولے تُو
جب دکھلائے آن کر کوئی بڑا سا منہ

موسیقی میں مفت میں بیڑا کیا ہو پار
افسر کے گُن گائے تو بنا وہ موسیقار

ایسے عقل کے ماروں کی خیر بھلا کیا ہو
اُس کو گندم چاہیے جس نے بوئی جو

یار اگر ہو سامنے بول پڑیں یکدم
بیٹھ کے دسترخوان پر کیوں شرمائیں ہم

کھابوں کی ہوں دعوتیں یا ہو پاکستان
لیڈر کرلیں شوں شڑپ سوچیں نہ اِک آن

خانا تُونے "ہُش" کئے سب شاخوں کے بُوم
وہ بھی ننگے ہو گئے جو تھے نامعلوم

حق و ناحق کا یہ رن کاش ابھی رُک جائے
دنیا کا ہر مسئلہ ٹاس سے ہی مُک جائے

پڑھ لکھ کر بھی بخت میں ٹھیلا پیلنا ہے
تو کیا لے کر ڈگریاں، اِن سے کھیلنا ہے؟

آگاہی اخبار سے کس کو حاصل ہے
سمجھیں کہ اک مفت کا عارضۂ دل ہے

بیٹھے ہیں ایگزام میں، آئے نہ کچھ بھی یاد
ہر لمڈے کو چاہیے بُوٹی کی امداد

ایسے میں عشاق سے خدمت خاک کرائے
آجائے وہ دھیان میں لیکن گھر نہ آئے

توشہ اُس سرکار سے جو ملتا ہے، لے!
محبوبہ کے ساتھ بارہ بچوں کی بھی جے

آ شبِ موسیقی میں جاگیں اور جگائیں
مچھر کی ملہار پر تالی پیٹے جائیں

تاڑ مشن پر جائیں گے لے کر موٹی سونڈھ
بگیا میں منڈلائیں گے پھولوں پر سب بھونڈ

میک اپ کر کے حسن پہ ناز وہی فرمائے
دیکھ کے جس کی شکل کو بھتنی بھی ڈر جائے

جھلکے ہر انداز سے ماڈ زماں کا نور
پہنے جو شلوار بھی ٹائی باندھ ضرور

ٹی وی پر یوں ٹاک ہو جیسے مرغ لڑیں
گردن پھولے طیش میں راشن تھام چڑھیں

جانے والے وقت کو روک سکا ہے کون
کیا کیا عمریں آن کر ہو گئیں گو وینٹ گون

حق گوئی کے ذعم میں جب وہ کاٹے بات
گچی پر دو ہاتھ دے، پچھواڑے پر لات

آئینے کے سامنے جھوٹی شکل نہ ہو
سچائی نہ مار دے تیرے منہ پر وہ

اللہ دِتّے کو نہ تُو اللہ دِتّا جان
گھر کی نیم پلیٹ پر تو ہے اے ڈی خان

گھر کا آنگن ہے اگر ٹیڑھا تو پھر ہو
ہر دم تُو تیار رہ ناچ دکھانے کو

"دُر" نہ بولا کیجیو ہو کر یوں بے باک
کتے کا ہو جائے نہ مجروع استحقاق

بن بیٹھے کٹ پتلیاں غیر کی سب لیڈر
مل پایا نہ کسی کو بھی پانی چلو بھر

قوموں کے اعمال میں ٹھینگا باجے جب
جیسا منہ ویسی چپیڑ کیوں نہ مارے رب

تجھ کو ہے شکوہ، تری مانے نہ سنسار
کچھ تو ہو میچورٹی تیری بات میں یار

آ کر بزمِ شعر میں رولا ڈال نہ یوں
لوگوں کو ایسے لگے، ہو گیا تیرا خوں

جگت ہے یا طنز ہے برسے آ آ کر
یار نویدؔا شعر ترے یکسر ہیں "ہیمر"

نویدظفرکیانی
کی شعری پونجی

مجموعۂ کلام

- جہانِ دگر
- اور بارش ہو
- میں اور چراغ
- تخلیئے کے رنگ
- رنگ و بو کے چھینٹے
- بھید خموشی کا

طنز و مزاح

- ڈنکے کی چوٹ
- ڈھول کا پول
- کھری کھری
- ارے
- دگڑ دگڑ
- کچھ میٹھا ہو جائے
- قلم مستیاں
- فرازیالوجی
- سخن کی خارش
- ایسی کی تیسی
- لائقِ سینسر
- کھنڈ مکھانے
- شاعری قیمے والی (زیرِ طبع)
- بول میری مچھلی (زیرِ طبع)
- اِدھر اُدھر (زیرِ طبع)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام